اور دلچسپ طنزیہ اسلوب کا اضافہ ہوا،

نازو اور دوسرے افسانے از جناب اختر انصاری بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ :- مکتبہ جہان نما اردو بازار دہلی

یہ کتاب جناب اختر انصاری کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے، اس میں حسن و عشق کے دلکش افسانے، ہماری معاشرت کے سبق آموز مرقعے، اور درد و الم اور فرحت و انبساط کی سچی تصویریں مختلف رنگ کے ستھرے افسانے ہیں، اور کسی میں مذاقِ سلیم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا ہے، تمام افسانے ابتذال و رکاکت سے پاک اور تخیل، پاکیزگی، لطفِ زبان اور مصنف کی دوسری ادبی خصوصیات کا نمونہ ہیں، سب افسانے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں، "زبیدہ" "میرے بچوں کی قسمت" "وہ کہاں ہے" "کسی کی کہانی چاند کی زبانی" "زینت" اور "غم نصیب" خاص طور سے ہمیں پسند آئے،

رہنمائے تاریخ اردو، مؤلفہ جناب حاجی محمد عبد القادر صاحب تقطیع چھوٹی. ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ حاجی عبد القادر صاحب ریٹائرڈ وکیل بنارس،

تاریخ گوئی شاعری کی ایک مشکل صنف ہے، معمولی تاریخ کہنا بہت آسان لیکن اچھی تاریخ نکالنا بہت مشکل ہے، تاریخوں، تذکروں اور دواوین میں اکابر کی وفات اور مختلف واقعات و حوادث کی سیکڑوں تاریخیں بکھری ہوئی ہیں، لائق مرتب نے اس کتاب میں فنِ تاریخ گوئی کے اصول و قواعد، اور اس کے اقسام کو مثالوں سے سمجھایا ہے، اور مختلف واقعات اور ہر دور کے سینتالیس شعرا اور اکابر کے مختصر حالات اور ان کی تاریخہائے وفات کو جمع کر دیا ہے، اس لئے یہ کتاب مختصر تذکرہ بھی ہے، اور فنِ تاریخ گوئی کی کتاب بھی، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی ہو ان کیلئے اس میں بہت سی مفید اور کارآمد باتیں ہیں،

"م"

جلد ۴۷ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۱ء عدد ۳

مضامین

شذرات

مسلمانون کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ٹرکی کی موجودہ حکومت اپنی پچھلی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تیار ہورہی ہے، مشہور روسی ترکی عالم علامہ موسیٰ جار اللہ جو کئی سال ہندوستان مین رہکر ایک اسلامی مقصد سے جاپان گئے تھے، وہان سے وہ اب واپس آکر ٹرکی روانہ ہوگئے ہیں، ایک دوست کے ذریعہ سے انکا ایک خط آیا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ سالہا سال سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے، کہ ان کو ترکی حکومت کے کسی مرکزی شہر مین ایک خالص مذہبی عربی درسگاہ کے قیام کی اجازت دیجائے، اب ترکی حکومت نے ان کی اس تجویز کو مان لیا ہے، اور اجازت دیدی ہے کہ وہ اسکے حدودِ سلطنت مین جہان چاہین اپنی مجوزہ مذہبی درسگاہ قائم کرین، بلکہ سلطنت مذکور اوس کے مصارف ادا کرنے کو بھی تیار ہے، لیکن علامہ ممدوح اوسکو سرکاری مدرسہ بنانے کے بجائے قومی مدرسہ بنانا زیادہ موزون سمجھتے ہین،

انہی کے خط سے یک بیک ایک حقیقت جو اوجھل سی ہورہی تھی، نظر کے سامنے آگئی، ترکی و تاتاری نسل جس کے مسلمان بادشاہون اور عالمون نے تقریباً چھ سو برس تک اسلام کے سیاسی و علمی خدمات انجام دیے تھے، اس دور مین خدمت نہین، بلکہ خود دین سے اتنی دور ہوگئی کہ کاشغر سے لیکر کریمیا اور قازان تک سارا علاقہ جو اسلام کا معدن تھا، بالشویک اثر اور حکومت کے ماتحت ہوکر ہر قسم کی علمی و عملی مذہبی تحریک سے خالی ہوگیا ہے، عثمانی ترک بھی اپنے نئے دور انقلاب مین اس سے اتنے ہی کورے ہوگئے، اور اب یہ سمجھا جانے لگا کہ ترک و تاتار کی پوری نسل جس کی تعداد دس کروڑ سے کم نہ ہوگی، سلسلۂ محمدی سے بیگانہ سی ہورہی ہے،

اس حالت مین اس نئی مذہبی درس گاہ کا قیام نہ صرف ٹرکی کیلئے بلکہ ساری ترکی و تاتاری نسل مین دوبارہ پیغام محمدی کے احیاء کیلئے ہوگا، اور عجب نہین کہ آیندہ چل کر وہ کسی عظیم الشان اسلامی تحریک کا مرکز بن جائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز،

علامہ ممدوح اپنی اس تجویز کے مطابق ٹرکی روانہ ہوگئے ہین، اور ہندوستان کے مسلمانون کیلئے اپنی ایک درخواست چھوڑ گئے ہین جسمین وہ فرماتے ہین کہ اسلامی دنیا مین ہندوستان کے مسلمانون کو جو اہمیت حاصل ہے اور اسلامی تحریکات سے انکو جو دلچسپی ہے اسکی بنا پر ان سے یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ وہ اس تجویز سے پوری دلچسپی لین گے، اور ان سے وہ صرف یہ امداد چاہتے ہین، کہ مجوزہ درس گاہ کے اسلامی کتب خانہ کے لئے ہندوستانی مطبوعات فراہم کردین، اور خصوصیت کے ساتھ انھون نے **دائرۃ المعارف** حیدرآباد دکن کی مطبوعات کی خواہش کی ہے، ہم نے انھین امید دلائی ہے کہ انشاء اللہ ہندوستان اور دکن کے مسلمان اس فرض کے ادا کرنے مین پیچھے نہین رہین گے، انشاء اللہ تعالیٰ،

ندوۃ العلماء کی تحریک کو ہندوستان مین دوبارہ زندہ کرنے کیلئے ہم کئی مہینون سے غور کررہے تھے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ ہندوستان مین اسوقت جس قسم کے اختلافات پیدا ہین اور دینی تحریک سے جس درجہ قوم کے نوجوانون مین تغافل بلکہ بیگانگی پھیل رہی ہے اسکو روکنے اور اسلام کے نام کو بلند کرنیکے لئے دوبارہ حضرات علماء کو ہر قسم کے سیاسی اختلافات کے باوجود دینی خدمت کیلئے ایک متحدہ پلیٹ فارم پر مجتمع ہونیکی دعوت دیجائے اور یہ سوچا جائے کہ موجودہ اقتصادی و سیاسی انتشار فکر کی حالت مین مسلمان نوجوانون کو اسلامی تعلیم سے کیونکر مانوس کیا جائے،

اس سلسلہ مین ہم نے بہت سے علماء اور زعماء سے زبانی اور تحریری گفتگو کی ہے اور ہم کو یہ معلوم

ہوکر تسلی ہوئی کہ وہ سب اس مقصد سے پوری طرح متفق ہین، ہماری پچھلے چند سال ہماری قومی تاریخ کے سب سے سیاہ اوراق ہین جن مین ہماری تغافل، تکاسل، پست ہمتی، انتشارِ فکر اور اختلافات کے سوا کچھ اور لکھا نہین، اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی خانہ جنگی کے افسوسناک نتیجوں کو پوری طرح سمجھین اور اپنے بعض اختلافات کو اگر وہ نہ مٹ سکین تو ان کو اپنی جگہ محدود رکھکر ہم سب اسلامی خدمت کے مقصد پر متفق ہو جائین،

دار العلوم ندوۃ العلماء مین چھوٹے بچوں کے بورڈنگ کی تعمیر کے لئے "رحمت عالم" کی خریداری کی تجویز کے ذریعہ جو کوشش کی گئی تھی، بحمد اللہ کہ وہ پوری طرح کامیاب ہوئی، اور اس وقت تک تین ہزار روپیے نقد اس سلسلہ مین جمع ہو چکے ہین، اور امید ہے کہ پانچہزار پورے ہو جانے پر ایک دو مہینہ کے اندر اندر اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا، جو اصحاب یون بھی اس کارِ خیر مین شریک ہونا چاہتے ہین، وہ بھی شریک ہو سکتے ہین،

بعض گھڑی کی تحریکیں عجیب طرح سے کامیاب ہوتی ہین، رحمتِ عالم کے ہندی ترجمہ کی جو تحریک ایک دوست نے شروع کی تھی، وہ پچھلے پرچہ مین شائع ہی ہوئی تھی، کہ اہلِ خیر نے مسابقت الی الخیر کی، صرف تین آدمیون نے مل کر اس کی مالی مشکل کو حل فرما دیا، حیدر آباد کے بعد اس کیلئے علی گڈھ کے ایک ذو الریاستین صاحبِ علم نے حسبِ معمول سبقت فرمائی، آخری صہ کی رقم پروفیسر سید الطاف کریم صاحب نے رانچی سے بھیجدی ہے، ترجمہ کا کام مولوی محفوظ الرحمان صاحب نگرامی نے جو ہندی کے اچھے ادیب ہین، شروع کر دیا ہے،

مقالات

مولانا سجاد کی یاد

مرنا اور جینا دنیا کے روزانہ کے کاروبار ہین، کون نہیں مرا، اور کون نہیں مریگا، آج وہ کل ہماری باری ہے، اس پر بھی عزیزوں اور دوستون کی موت پر رونے والے روتے ہین، ان کے دائمی فراق پر ماتم اور فریاد کرتے ہین، ان کی ایک ایک خوبی کو یاد کر کر کے ان کا نوحہ پڑھتے ہین، عام حالت یہی ہے، لیکن بعض موتین ایسی بھی ہوتی ہین، کہ ان کی خبر سُن کر زبان بند ہو جاتی ہے، آنسو سوکھ جاتے ہین، دل کی حرکت بڑھ جانے کے بجائے گھٹ جاتی ہے، اندر ہی اندر گھٹن محسوس ہوتی ہے، مگر جی نہیں چاہتا کہ کچھ بول کر دل کی بھڑاس نکالئے، اور آنسو بہا کر غم ہلکا کیجئے، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم کے سانحہ کا مجھ پر بالکل یہی اثر ہوا، دن بیت گئے، ہفتے گذر گئے، مہینے ختم ہو گئے، مگر زبان نہ کھلی، اور دل کی امانت قلم کے سپرد نہ ہو سکی، عزیزون اور دوستون کو تعجب ہے کہ میرا قلم جو احباب کے سوگ مین ہمیشہ اشک ریز رہتا ہے، اس پہلی دفعہ وہ اپنے فرض کو کیون بھولا ہے، مگر یہ کیسے بتاؤن کہ اس ناگہانی اور غیر متوقع غم سے مجھے کیون چپ سی لگ گئی، ہر چند زبان خاموش تھی، لیکن کئی دن تک سوتے جاگتے مرحوم کی صورت آنکھوں مین پھرتی، اور خواب مین نظر آتی رہی، تدمع العین ویحزن القلب و

لا نقول الا ما یرضی ربنا وانا الفراقك لمحزونون۔

اکثر اکابر اور مشاہیر کی ملاقاتین خاص حالات کی بنا پر یاد رہتی ہین، اور یہ بھی یاد رہتا ہے کہ یہ ملاقاتین کب ہوئین، اور کہان،

ہوئین دیکھے ہوئین لیکن اگر محبت کا عہد یاد کی عمر سے زیادہ ہو تو اوس کو ازلی ملاقات کہہ سکتے ہین الارواح جنود
مجندۃ فما ائتلفت منہا ائتلفت وما اختلفت منہا اختلفت اسی اصول کی بنا پر مجھے یاد نہین
کہ دنیا مین میری ان کی ملاقات کب ہوئی، کہان ہوئی، اور کیونکر ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قربِ مکانی،
اتحادِ زمانی، اور شدتِ ہم ذوقی کی بنا پر ہم ایک دوسرے سے اتنے آشنا تھے کہ پہلی ملاقات مین دید و شنید بھی
کوئی نیا اضافہ نہ کر سکی،

اس آخری زمانہ میں دو سال مین ایک دفعہ میرے ایام قیام وطن مین کوئی نہ کوئی کام نکال کر وہ
ضرور تشریف لاتے، اور میری عزت بڑھاتے، اور ان کے ملنے والون مین کون تھا جس کی عزت اپنی
محبت سے وہ نہیں بڑھاتے تھے، ان کی تواضع مین بلندی، سادگی مین بناؤ، اور خاموشی مین گویائی
تھی، وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے، پیادہ تھے، مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے، سراپا حال تھے، کہتے
کم کرتے زیادہ تھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ "راہ" اور "منزل" کے فرق کو کبھی فراموش نہیں
کیا، اونھون نے راہ میں ہمراہیوں کے لطفِ کلام مین پھنسکر منزل سے ہٹنا کبھی گوارا نہیں کیا، وہ
وطن کی آزادی اور احکامِ مذہبی کی پیروی کے درمیان التباس اور تصادم سے کبھی بے خبر نہیں رہے،
جذبۂ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انھون نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط قدم اٹھانے
کبھی بزدلانہ یا صلح پسندانہ درگذر سے کام نہیں لیا، مرحوم کی زندگی کے سوانح لکھنے والے لکھین گے، مگر عقیدت
کی یہ چند سطرین اون کے دیرینہ نیازمند کی طرف سے یادگار اوراق رہین تو محسن کے شکریہ کا بار اس
کے کندھے سے کم ہو،

وطن صوبہ بہار مین قصبہ بہار اور گیا کے درمیان کا علاقہ ہندوؤن کے عہد مین بودھون اور جینیون
کی یادگارون سے بھرا ہوا ہے، اسی راستہ مین قصبہ بہار سے چند میل آگے بڑھ کر بودھون کی مشہور درسگاہ
نالندہ کے آثار اور کھنڈر ہین، اسی سے ملا ہوا پہنسا نام مسلمانون کا ایک گاؤن ہے، جہاں سادات کے

کچھ گھرانے آباد ہین انہی مین سے ایک گھر میں مولانا سجاد کی ولادت ہوئی،

تعلیم و تربیت تیرہوین صدی کے شروع مین صوبہ بہار مین مولانا وحید الحق صاحب استھانوی
بہاری کے دم قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی، قصبۂ بہار مین انھون نے مدرسۂ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی
اور بہت سے عزیزون کی تربیت کی، ان مین سے ایک مولینا محمد سجاد بھی تھے، عربی کی ابتدائی تعلیم انہی
کے زیر سایہ ہوئی، اور ان کی پہلی شادی بھی اونہی کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی، آخری تعلیم الہ آباد
کے مدرسہ سبحانیہ مین مولینا عبد الکافی صاحب الہ آبادی کے درس میں ہوئی، اور وہین ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۲۲ھ
تک رہ کر سندِ فراغ حاصل کی،

ابتدائی کام تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسی کی خدمت انجام دی اس عرصہ مین کبھی وہ مدرسۂ اسلامیہ
بہار مین رہے، اور کبھی مدرسۂ سبحانیہ الہ آباد مین، ۱۳۲۵ھ تک یعنی سات برس تک وہ اس فرض کو انجام
دیتے رہے، ۱۳۲۹ھ مین گیا مین مدرسۂ انوار العلوم کی بنیاد ڈالی، مولانا عبد الوہاب منطقی بہاری بھی شریک کار
تھے، یہ بات مجھے یون یاد رہی کہ شاید ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء تھا، کہ مدرسہ مذکور کے ایک جلسۂ سالانہ مین مولانا
عبد الوہاب صاحب کی دعوت پر مولانا شبلی نعمانی مرحوم اور مولینا عبد الحق صاحب حقانی دہلوی مرحوم
شریک جلسہ ہوئے تھے اور تقریریں کی تھین،

مولانا سجاد صاحب مدرسۂ انوار العلوم کا یہ جلسہ سال بسال کیا کرتے تھے، اور اس مین علماء کو
بلاتے تھے، اور ان سے تقریرین کراتے تھے، میرا خیال ہے کہ اکثر علماء سے ان کی ملاقاتوں کا آغاز انہی
جلسون مین ہوا، مجھے بھی ایک دو دفعہ ان جلسون مین حاضری کا اتفاق ہوا،

سیاسیات کا ذوق ان کو سیاسیات کا ذوق جنگِ عظیم میں ٹرکی کی شکست، اور ممالکِ اسلامیہ کی
پراگندگی سے ہوا، وہ اوس وقت الہ آباد مین تھے، ان کے ایک انگریزی دان شاگرد ان سے عربی پڑھنے
آتے تھے، وہ اپنے ساتھ اردو اور انگریزی اخبارات لاتے تھے، اور مولانا کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے، یہ

آگ روز بروز بھڑکتی چلی گئی، مولانا ابوالکلام کے الہلال کی تحریک نے بنگال کے قرب کے سبب بہار پر پورا اثر کیا تھا، اور بہت سے علمار نے ان کی اس تحریک پر لبیک کہا، ان مین سے مولانا سجاد کا نام بھی لیا جاسکتا ہے،

رانچی کی اسیری کے زمانہ مین مولانا ابوالکلام نے ہم خیال وکار فرما علمار کی تلاش وتفتیش کا کام ایک مخلص کے سپرد کیا تھا، اونھون نے جن علمار کا نشان دیا، ان مین سے ایک مولانا سجاد بھی تھے، جو اس وقت انوار العلوم گیا کی مسند درس پر تھے،

۱۹۱۹ء سے تحریک خلافت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مولانا کا ذوقِ سیاست بھی بڑھتا گیا، ۱۹۲۰ء مین مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل کی تحریک اور مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم کی تائید سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت مین جب جمعیۃ العلمار دہلی کی بنیاد پڑی، تو موصوف اوس کے لبیک کہنے والون مین سب سے اول تھے، اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا، کہ اون کے کتنے رفیقِ سفر تھک تھک کر اپنی جگہ پر بیٹھ رہے تھے، مگر اُنہی کی ایک ہستی تھی جو آخر تک جمعیۃ کے ساتھ لگی رہی، بلکہ یہ کہنا چاہئے، کہ انہی کی روح تھی جو اوس کے قالب مین جلوہ گر ہوتی رہی،

بہار مین امارتِ شرعیہ کا قیام ان کی سب سے بڑی کرامت ہے، زمینِ شور مین سنبل پیدا کرنا اور بنجر علاقہ مین لہلہاتی کھیتی کھڑی کر لینا ہر ایک کا کام نہین،

۱۹۱۸ء مین معارف مین اس تحریک کو اٹھایا گیا، اور اصلاحات کے سلسلہ مین اوس کو پیش کیا گیا، پھر ۱۹۲۰ء مین یورپ سے واپسی کے بعد چاہا، کہ اوس کو تمام ہندوستان کا مسئلہ بنایا جائے، مگر اس عہد کے جدید تعلیم یافتہ علمبردارون نے اوس کو کسی طرح چلنے نہ دیا، مگر بہار مین مولنا سجاد صاحب کی قوتِ عمل نے اوس کو وجود کا قالب بخش دیا،

مولانا سجاد مرحوم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ علمار سیاسیات مین بھی قوم کی رہبری کا

فرض انجام دین، مسلمانون مین دینی تنظیم قائم ہوجائے جس کے تحت مین ان کے تمام تبلیغی و مذہبی و تعلیمی و تمدنی کام انجام پائین، دار القضار قائم ہوکر مسلمانون کے ہر قسم کے مقدمات ومعاملات تصفیہ پائین، مسلمانون کا بیت المال قائم ہوجائے جہان مسلمانون کے صدقات ومبرات وزکواۃ کی ساری رقمین اکٹھی ہوکر ضروریات مین خرچ ہون، اور مستحقین مین تقسیم ہون، مولانا نے عمر کے اخیر بیس برس انہی کامون مین صرف کئے، اور حق یہ ہے کہ انھون نے ہر قسم کی مالی بے بضاعتی، مددگارون کی کمی، رفقار کی عدم مساعدت اور حالات کی مخالفت کے باوجود جو کچھ کر دکھایا، وہ ان کی حیرت انگیز قوتِ عمل کا ثبوت، اور اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص ہے،

بہار کی تنہا دولت اون کا وجود گو سارے ملک کے لئے پیامِ رحمت تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ صوبہ بہار کی تنہا دولت وہی تھے، اس صوبہ مین جو کچھ تبلیغی، تنظیمی، سیاسی اور مذہبی تحریکات کی چہل پہل تھی، وہ کل انہی کی ذات سے تھی، وہی ایک چراغ تھا، جس سے یہ سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان اور بہار کی روح تھے، وہ کیا مرے کہ بہار مرگیا،

مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

علم وفضل فلسفۂ تاریخ کے ماہر کہتے ہیں، کہ علم اور عمل کم یکجا ہوتے ہین، لیکن انہی کمیاب مثالون مین مولانا سجاد کی ذات تھی، وہ اپنے وقت کے بڑے مشاق مدرس اور حاضر العلم عالم تھے، خصوصیت کے ساتھ معقولات اور فقہ پر اون کی نظر بہت وسیع تھی، جزئیاتِ فقہ اور خصوصًا ان کا وہ حصہ جو معاملات سے متعلق ہے، ان کی نظر مین تھا، امارتِ شرعیہ کے تعلق سے اقتصادی ومالی وسیاسی مسائل پر ان کو عبور کامل تھا، زکواۃ وخراج وقضا وامامت وولایت کے مسائل کی پوری تحقیق فرمائی تھی، ہرچند کہ سالہاسال سے درس وتدریس ومطالعہ کا اتفاق نہین ہوا تھا، مگر جب گفتگو کی گئی، ان کا علم تازہ نظر آیا،

فہم ورائے ان کا علم محض کتابی نہ تھا، بلکہ آفاقی بھی تھا، معاملات کو خوب سمجھتے تھے، ان کو بار بار بڑے معاملات اور مقدمات میں ثالث بنتے ہوئے دیکھا ہے، اور تعجب ہوا ہے کہ کیونکر فریقین کو اپنے فیصلہ پر راضی کر لیتے تھے، اور اسی لئے لوگ اپنے بڑے بڑے کام بے تکلف ان کے ہاتھ میں دیتے تھے، کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عطیہ فکر رسا اور رائے صائب تھی، مسائل اور حوادث میں ان کی نظر بہت دور دور پہنچ جاتی تھی، وہ ہر گتھی کو نہایت آسانی سے سلجھا دیتے تھے، حریف کی چالوں کی تہ تک پہونچ جاتے تھے، باوجود تواضع اور خاکساری کے اپنی رائے پر پوری قوت کے ساتھ جمتے تھے، اور محض ہٹ اور ضد سے نہیں بلکہ دلائل کی قوت اور مصالح کی طاقت سے وہ دوسروں سے منوانے میں کامیاب ہو جاتے تھے،

اخلاق وہ بیحد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انھوں نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صافہ، کھدر کا لمبا کرتہ، کھدر کی صدری، پاؤں میں معمولی دیسی جوتے، اور ہاتھ میں ایک لمبا عصا، یہ انکی وضع تھی، مگر اپنی اس سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ، بڑے بڑے لیڈروں اور بڑے بڑے مجمعوں میں بے تکلف جاتے تھے، اور اپنا لوہا منوا لیتے تھے، جوہر پہچاننے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے، غلاف کی خوبصورتی نہیں،

ہر شخص کی مصیبت میں ہر وقت کام آتے تھے، اور ہر ایک کی سفارش میں ہر وقت سینہ سپر ہو جاتے

اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہ و مرتبہ بھی عنایت فرمایا، انھوں نے خود اپنی پارٹی کی وزارت بھی بنائی، اور بادشاہ گر نہیں تو وزیر گر ضرور بنے، کانگریسی حکومت کے زمانہ میں بھی ان کو اچھا اقتدار حاصل رہا، مگر خدا گواہ کہ اس اثر و اقتدار کو اپنی ذات کے لئے کبھی کام میں نہیں لائے، جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے لئے،

ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت اور عسرت کی زندگی تھی، گھر کے خوشحال نہ تھے امارت سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریوں اور معمولی درجوں میں کرتے تھے، اور اسی

حال میں پورب سے پچھم اور پچھم سے پورب اور اتر سے دکھن اور دکھن سے اتر دوڑتے رہتے تھے، ان کا دن کہیں گذرتا تھا، اور رات کہیں، مسلمانوں کی سلامتی اور تنظیم کی ایک دھن تھی، کہ ان کو دن رات چکر میں رکھتی تھی کہیں قربانی کا جھگڑا ہو، مسلمانوں پر مقدمہ ہو، کہیں سیلاب آئے، کہیں آگ لگے، کہیں ہندو مسلمان کا تنازعہ ہو، وہ ہر جگہ خود پہونچ جاتے تھے، معاملہ کا پتہ لگاتے تھے، مظلوموں کی مدد کرتے تھے، ان کے لئے چندہ کرتے تھے، جہاں سے ہوسکتا وہ ان کو لا کر دیتے تھے، اور خود خالی ہاتھ رہتے تھے،

بہار میں زلزلہ کے زمانہ میں انھوں نے جس تندہی سے کام کیا اور ایک ایک گاؤں میں جا کر جس طرح بے گھروں اور بے خانماں کو مدد دی، وہ ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے جس کا صلہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے ان کو عنایت فرمایا ہوگا،

لیڈروں اور قومی کارکنوں کے پاس عام طور سے ان کے اثر کے ذریعے تین ہیں، یا دولت ہے یا حسن تقریر ہے یا زور قلم ہے، مرحوم ان تینوں سے محروم تھے، وہ غریب تھے، اور غریبوں ہی میں زندگی بسر کی، زبان میں لکنت تھی، جس سے وہ بولنے پر قادر نہ تھے، اور اسی لئے تقریر بہت کم کرتے تھے، اور ان کے قلم میں وہ زور بھی نہ تھا جو آج کل کی انشا پردازی کا کمال ہے، تاہم ان سب کا بدل ان کے پاس ان کا ایک اخلاص تھا، جو ان کی ہر کمی کو پورا کر دیتا تھا، عجب نہیں کہ زبان اور قلم کا عجز ہی تھا جو ان کی قوتِ عمل کی صورت میں ظاہر ہوا،

جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ کے خطبہ میں میرے قلم سے ان کی نسبت یہ الفاظ نکلے تھے جو پہلے مدح تھی، اب مرثیہ ہے :-

"۱۳۴۳ھ کے اجلاس خاص مراد آباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی، مگر میں وقت پر وفد جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور کیا، اور میں خوش ہوں کہ اس کے

بدولت ایک خاموش ہستی بولی، ایک بے زبان نے زبان کے جوہر دکھائے، اور ایک
ہمہ تن سوز و گداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے ٹکڑے بکھیرے۔"

یہی مولانا ہی کی قوتِ جاذبہ تھی، جو مختلف الخیال علما، اور مختلف الرائے سیاسی رہنماؤن اور قومی کارکنون کو ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کئے، اور ایک شیرازہ مین باندھے ہوئے تھی،

شاید یہ کم لوگوں کو علم ہو کہ مولانا کی خانگی زندگی غم سے بھری ہوئی تھی، ان کے بڑے بھائی مجذوب تھے، ان کی بیوی معذور و مختل تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو پڑھ لکھ کر فاضل اور گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہوا، مین اوسوقت کہ اوس کے نکاح مین چند روز باقی تھے، باپ نے اوسکی دائمی جدائی کا داغ اٹھایا، اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت مین تھا کہ مسلمانون کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوگیا، واپس آیا تو جوان بیٹا دم توڑ رہا تھا،

ان کی اپنی زندگی بھی دین و ملت ہی کے نذر ہوئی، ترہت کے دور افتادہ علاقہ مین جہان کے ملیریا کے ڈر سے ادھر کے لوگ ادھر جانا موت کے منہ مین جانا سمجھتے ہین، یہ مردِ خدا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھکر سال مین کئی کئی دفعہ جاتا تھا، اور کئی کئی دن وہان رہتا تھا، آخری سفر بھی وہین ہوا، اور وہین سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا، اور اسی حال مین جان جان آفرین کے سپرد کی،

جانے والے تیری روح کو سلام، جب تو زندہ تھا، تو تیری قوم نے تیری قدر نہ پہچانی آج تو عالم ابد مین ہے، میرے کان غیب سے تیری زبانِ مجاز سے یہ آواز سنتے ہین،

یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ — اے کاش کہ میری قوم جانتی کہ خدا نے
رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ، — مجھے بخشا، اور مجھے ان مین داخل کیا جن پر
(یٰسین) — اوس کا کرم ہوا ہے۔

اقبال اور برگسان

از

مولانا عبد السلام خان صاحب رامپور

(۲)

کائنات بے مقصد نہین

برگسان مدعی ہے کہ کائنات آزاد تخلیقی حرکت اور غیر مختتم تغیر ہے، لہذا اس تخلیقی حرکت کے علاوہ اس کا نہ کوئی مقصد ہوسکتا ہے، اور نہ کوئی غایت، کائنات کا اگر کوئی مقصد یا غایت مانی جائے، تو کائنات نہ محض حرکت اور تغیر رہے گی، اور نہ آزاد،

اقبال برگسان کے اس دعوی کو تسلیم نہیں کرتے، اقبال کے نزدیک بھی عالم آزاد، مستمر اور تخلیقی حرکت ہے، یہ صحیح ہے کہ کائنات کے متعلق نہ کوئی خاص منصوبہ پہلے سے موجود ہے جس کے مطابق تخلیق جاری ہے، اور نہ علل و اسباب کا کوئی غیر مختتم سلسلہ ہے، جس کے ماتحت اشیاء عالم خارجی مین نازل ہو رہی ہین، کائنات بے مقصد اور آزاد تخلیق ہے یعنی کائنات اور اسکی مشمولات کا کوئی طے شدہ اور مقررہ مقصد اس معنی مین نہیں کہ وہ اسکی طرف مقررہ اصول کے مطابق چل رہی ہے، ورنہ پھر آزاد ابتدائی اور ارادی خلق کے کوئی معنی نہونگے،

کائنات اقبال کے نزدیک ان معنی مین با مقصد ہے کہ وہ نقصان سے کمال اور کمال سے اکملیت کی طرف ارتقائی حرکت کر رہی ہے،

فطرتِ ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو — خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

زندگی کا شعلہ اُس ذرّے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزائی کے لئے مجبور ہے،

فعلیتِ مطلقہ کا ماضی و حال، مستقبل کے خالی امکانات کی جو اس فعلیت مین مضمر ہین تشکیل کرتا ہے، مستقبل کے ان خالی امکانات مین اسکی اندرونی اہلیت کی بنا پر ارتقائی تخلیق جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ حال اور ماضی سے مستقبل کے امکانات کی فعلی سمت کا اندازہ ہو جاتا ہے، انسانی افعال مین عام مشاہدہ ہے کہ اگر پہلے سے کوئی مقصد اور غایت نہ ہو، تو بھی ہمارے افعال ماضی اور حال کی یادداشتون اور مستقبل کے تخلیقی امکانات کے مطابق کسی نہ کسی مقصد اور غایت کو متعین کر لیتے ہین، اور ان افعال کی کوئی نہ کوئی حقیقی سمت مقرر ہو جاتی ہے،

ذات اور زمان ذات کو غور سے دیکھنے اور وجدان کی مدد سے اوسکے باطن پر متوجہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ذات اپنی اندرونی زندگی مین ایک مرکز سے باہر کی طرف ابل رہی ہے، ذات کے مظاہر اور اوس کی خارجی فعلیتین جو اپنے اپنے اوقات پر عالمِ محسوسات مین ظاہر ہوتی ہین، ذات کے بطن مین موجود ہین، اگر صلاحیتین اور امکانات ذات مین موجود نہ ہوتے، تو ان کے ظہور کے کوئی معنی ہی نہ ہوتے، ذات کا بیرونی عالم مین خروج ان ہی امکانات اور صلاحیتون کا خارجی مظاہرہ ہے، اشیاء یا افعال کا وضعی او رحسی امتیاز اور انکی کثرت اور انکے نظام ذات کے ظاہری رُخ سے متعلق ہین، ذات کا اندرونی رُخ ان سے ماوراء ہے، وہ تخلیقِ محض اور تاثیر خالص ہے، واحد اور مستمر ہے، اسی ذات کے ظہور سے افعالِ خارجیہ پیدا ہوتے ہین اور انکو لوازم خارجیہ عارض ہو جاتے ہین، روزمرہ کی کاروباری زندگی کا اسی رُخ سے تعلق ہے، بیرونی اشیاء، یا افعال اور ان کے نظامِ تعلقات اور اضافتین اسی پر اثر انداز ہوتے ہین، ذات کے ان دونون رُخون کے اعتبار سے زمانہ کے بھی دو رُخ ہین، باطنی اور ظاہری، پہلے کا تعلق ذات کے اندرونی تخلیقی اور اصلی رُخ سے ہے، دوسرے کا بیرونی کاروباری اور غیر اصلی رُخ سے، اقبال پہلے اعتبار کو "استمرارِ محض" اور دوسرے کو "مکانی زمان" کہتے ہین،

مکانی زمان کائنات حوادث اور واقعات کا سلسلہ ہے، بعض حوادث گزر چکے، بعض گذر رہے ہین اور بعض کے آیندہ گذرنے کی توقع ہے، ہم کسی ایسی چیز کا نہ تصور کر سکتے ہین، اور نہ موجود تسلیم کر سکتے ہین، جس کو نہ ماضی سے تعلق ہو، اور نہ حال و استقبال سے،

زمانہ ایک دھارا ہے جس مین اشیاء یا افعال بہتے چلے جا رہے ہین، کچھ ہم سے آگے گذر چکے، کچھ پیچھے آ رہے ہین، اور کچھ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے ہین، اسی اثناء مین بعض تیزی سے گذر جاتے ہین بعض کچھ دور تک اور بعض ہمارے بعد تک گذرتے رہتے ہین، زمانہ کا یہ تیز دھارا اس طرح بہا چلا جا رہا ہے، کہ اس کا بعد نہ قبل ہو سکتا ہے، اور نہ قبل بعد، نہ اسکی ابتدا معلوم ہے اور نہ انتہا، یہ دھارا اتنی تیزی اور مسلسل ایک مخصوص رفتار سے چلا جا رہا ہے، اس مین جو دو چیزین یکے بعد دیگرے ہوتی ہین، انکو مقدم اور مؤخر اور جو ساتھ ساتھ ہوتی ہین، ان کو معاصر اور ہم زمان کہا جاتا ہے، زمانہ کا یہی عام تصور ہے، اس تصور کے ماتحت اشیاء کے باہمی تعلقات اور ان کی ایک دوسرے سے اضافتین مقرر کی جاتی ہین، اسی سے تعلیل مصاحبت اور اتفاق کو متعین کیا جاتا ہے، عام کاروبار میں اسی زمانہ کا اعتبار ہے،

اقبالؔ کے نزدیک زمانہ کا یہ تصور ذات یا انا کے ظاہری رُخ سے تعلق رکھتا ہے، اس زمانہ کو تاثیر تغیر اور تخلیق سے کوئی واسطہ نہیں، یہ تخلیقی فعلیت کے معروضی پہلو کے لوازم مین سے ہے، فعلیتِ مطلقہ کے ظہور سے کثیر اور متنوع افعال کا ظہور ہوتا ہے، اشیاء ان کے نظامِ باہمی تعلقات اور اضافتین پیدا ہو جاتی ہین، ان اشیاء اور ان کی اضافتون اور تعلقات سے مکان کا تصور منتزع ہوتا ہے، یہ سب چیزین ذات کا محض ظاہری رخ ہین، اس لئے مکان کی بھی کوئی حقیقی اور ذاتی حیثیت نہین، جیسا کہ مسلمان متکلمین کا خیال ہے، اقبالؔ کے نزدیک بھی مکان ایک وہمی چیز ہے، اصل ذات بے کثرت، بے وضع اور بے تعلق ہے، وہ نہ مکان ہے، اور نہ مکانی

مکان ہمارے طرزِ تفکر کا خاصہ ہے، جس کا ذات کے ظاہری رُخ کی کثرت سے انتزاع ہوتا ہے،

مکانی ہون، کہ آزادِ مکان ہون — جہان میں ہوں کہ خود سارا جہان ہون

وہی اصل مکان ولامکان ہے — مکان کیا ہے اک اندازِ بیان ہے

حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایان جب ہوئی اپنی — مکان نکلا ہمارے خانۂ دل کے مکینوں مین

ذات کا یہ پہلو اپنے آپ سے باہر ہے، اس لئے اگر اوس کو مجموعی حیثیت مین لیا جائے تو محض متعین اور متعدد حالتون کا تعاقب اور تسلسل ہوگا، ان حالتون کے مکانی تعاقب اور تسلسل نے ان کو ایک دوسری قسم کا تعاقب یا تسلسل عارض ہو جاتا ہے یعنی زمانی تعاقب اور تسلسل بیرونی ذات کا اسی زمانہ سے تعلق ہے، یہی وہ زمانہ ہے جس کو طویل اور مختصر کہا جاتا ہے، اس زمانے کا مکان سے انتزاع ہوتا ہے، اس لئے اوس کو مکان سے ممتاز کرنا بہت دشوار ہے، یہ مستقیم خط ہے جو پے بہ پے مکانی نقطوں سے مرکب ہے، اس مکانی زمانہ مین ہستی ایک مصنوعی ہستی ہے، ہماری کاروباری زندگی کا تعلق ذات کے خارجی اور ظاہری رُخ سے ہے، جس کو یہ مکان اور زمان عارض ہین، ذات کا باطنی پہلو خلق اور تاثیر ہے، اور کاروباری شام و سحر سے آزاد ہے،

اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن — غلامِ گردشِ دوران نہیں دل

کھو نہ جا اس سحر و شام مین اے صاحبِ ہوش — ایک جہان اور بھی ہے جس مین نہ فردا ہے نہ دوش

ہمین ذات کے اندرونی اور حقیقی پہلو سے تعلق نہیں رہتا، لہذا ذات کا یہ پہلو اور اس کے ساتھ ساتھ حقیقی زمان بھی ہماری نظرون سے چھپا رہتا ہے، جب تک گہری توجہ سے کام نہ لیا جائے، سامنے نہین آتا،

استمرارِ محض ذات کا داخلی یا باطنی پہلو بسیط فعلیت ہے، جو عالمِ محسوسات مین کھلتا جا رہا ہے جس کو اقبال خلق سے تعبیر کرتے ہین، اشیاء یا افعال، انکا تکثر، ان کے نظام تعلقات اور

ان کی اضافتین اسی اظہار یا خلق پر موقوف ہین، خود اصل فعلیت اپنی باطنی جانب مین ایک قسم کی وحدت ہے، تدریج و تعاقب سے ماوراء، تدریج اور تعاقب اوس کے خروج اور ظہور کے عوارض ہین جس طرح مظاہر اور افعال اوس فعلیت یا ذات مین بحیثیت ایک وحدت کے متداخل ہین، اسی طرح اوس کا زمانہ بسیط وحدت کی صورت مین متداخل ہے، اقبال کے لفظون مین "اندرونِ ذات مین یہ خارجی متعدد اور متعین حالتین باہم دیگر تحلیل ہین، بالکل اسی طرح جیسے کسی جرثومہ مین اس کا پورا عضوی نظام تحلیل ہوتا ہے، اس اندرونی ذات مین حالتین ہین، مگر ان مین کمّی امتیاز نہین، بلکہ کیفی امتیاز ہے، اگر یہ حالتیں تعداد یا مقادیر کے اعتبار سے ممتاز ہونگی تو ذات مین کثرت اور اشیاء اور افعال کا فعلی وجود ہو جائے گا، اور خلق یا ارتقاء کے کوئی معنی نہ ہونگے ان مین امتیاز اس طرح ہے کہ فعلیت غیر محدود صلاحیتوں کی حامل ہے، ہر صلاحیت ایک مخصوص فعل یا شئے کے لئے خاص ہے، اس ذات کے تغیرات اور حرکتین نہ منفرد امر عی ہین، اور نہ یکے بعد دیگرے مسلسل، ان کے عناصر متداخل ہین، اس اندرونی ذات کا زمانہ استمرار محض ہے جس پر مکان کا کوئی اثر نہیں اس ذات کا اندرونی زمانہ بسیط صورت مین ہے، لہذا اس کے زمانہ کی تعبیر ایک "اب" سے کیجا سکتی ہے، اس اندرونی "اب" کو ذات کا کاروباری رُخ مکانی عالم مین "اب" کی ایک کثیر اور تدریجی مقدار مین تحلیل کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص باہر سے اس آن کو دیکھے تو ہزارون سال معلوم ہو سکتی ہے، مثلاً سُرخ رنگ کے احساس کی طبیعیاتی وجہ تموجی حرکت کی سُرعت ہے، جس کی لرزش چار سو بلین فی ثانیہ ہے لیکن اگر کوئی بیرونی پہلو سے دو ہزار فی ثانیہ کے حساب سے بھی شمار کرنا چاہے، تو چھ ہزار سال سے زیادہ زمانہ شمار کرنے کو چاہئے، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے، کہ سُرخ رنگ لرزش کی اتنی کثیر مقدار پر مشتمل ہونے کے باوجود کتنی تیزی سے محسوس ہو جاتا ہے، حقیقی اور باطنی ذات کا یہ استمرار یا حقیقی زمانہ لمحات کا علٰحدہ علٰحدہ اور پے بہ پے

سلسلہ نہیں، یہ ایک عضوی کل ہے جسمین ماضی پیچھے چھوٹ جانے کے بجائے برابر آگے بڑھتا چلا آتا ہے، مستقبل آگے کو بڑھی ہوئی چیز نہیں بلکہ ایک کھلے ہوئے امکان کی صورت مین موجود ہے، ماضی اور مستقبل دونون مل کر حال پر اثر انداز ہوتے ہین۔"

اس حقیقی زمانہ میں ہونے کے معنی تدریجی زمانہ کی پابندی نہیں، بلکہ اوس کے تدریجی اور متعاقب لمحات کی تخلیق ہے، ذاتی اور اندرونی استمرار خلاق فعلیت ہے، غیر متعاقب اور غیر مسلسل اسی استمرار کا فعلی وجود تدریجی زمانہ اور اشیاء و افعال کی تخلیق ہے،

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات　　سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ　　جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب ساز ازل کی فغان　　جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم کائنات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا　　ایک زمانہ کی رو جسمین نہ دن ہے نہ رات

استمرار کے اس عضوی کل کا اقبال کے نزدیک اسلامی نام تقدیر ہے، جبتک اشیاء اور افعال ذات کے بطن مین اپنی ذاتی صلاحیتوں اور ارتقائی امکانات کی صورت مین محفوظ ہوں تقدیر ہے اور جب ظہور ہو تو خلق، خلق ہمیشہ تقدیر کے مطابق ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ کوئی شے اپنی ذاتی صلاحیتون سے آگے نہیں بڑھ سکتی، یہ تقدیر کوئی طے شدہ قیمت نہیں، جس کو کسی نے باہر سے اشیاء پر مسلط کر دیا ہے، بلکہ یہ شے کی ذاتی اہلیت اور اسکی اندرونی رسائی کی آخری حد ہے، ورنہ تخلیقی فعلیت آزاد اور بالکل ابتدائی ہے،

جوشِ کردار سے کھل جاتے ہین تقدیر کے راز　　راز ہے راز ہے تقدیر جہانِ تگ و تاز

ذات اور شعور اقبال کے نزدیک شعور کا تصور بھی ذات کے تصور پر مبنی ہے، شعور کا تعلق ہماری حیات سے ہے، حیات ایک روحانی حقیقت ہے، لہذا شعور بھی مادی ہونے کے بجائے روحانی

حیثیت رکھتا ہے، زندگی کی تکاثفی اور خود مرکزی حالت کو شعور کہتے ہین، شعور ہماری ذات مین ایک ایسی روشنی ہے، یا ایک ایسا روشن نقطہ مہیا کر دیتا ہے، جس سے فعلیت کا آگے کی جانب سیلان اور روانی منور ہو جاتی ہے، کسی خاص فعل کے لئے اوسکی مخصوص جانب زندگی مین مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ہر طرف سے سمٹ کر اوسی خاص فعل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، زندگی کی اس کیفیت کی وجہ سے، یا دوسرے لفظون مین شعور کی وجہ سے، ماضی کی تمام یادداشتین اور ایتلافات ہماری توجہ سے خارج ہو جاتی ہین جن کو موجودہ فعل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور تمام متعلقہ یادداشتین اور ایتلافات سامنے آجاتے ہین، شعور موقع اور ضرورت کے اعتبار سے سکڑ اور پھیل سکتا ہے، شعور کا تعلق ذات سے ہے، اس لئے ذات کے کاروباری اور حقیقی رُخون کے اعتبار سے شعور کی بھی دو حیثیتیں ہین، ایک ظاہری اور کاروباری، دوسری باطنی اور حقیقی، پہلی حیثیت کو عقل و فکر اور دوسری کو وجدان کہا جاتا ہے،

وجدان ذات کے باطن اور اوس کی اندرونی حقیقت سے جس شعور کا تعلق ہے، وہ وجدان ہے، ریاضیاتی مکان و زمان کی قیود سے اسکی فعلیت آزاد ہے، یہ ایک وحدت ہے، جو ذات کو اسکی کلی حیثیت اور اوس کے تمام امکانات اور صلاحیتون کی مجموعی کیفیت کے اعتبار سے منور کرتا ہے، اور اس طرح بطن حقیقت کو اسکی ذاتی حیثیت مین جانتا ہے، اشیاء کی منفرد اور متشخص کمی حیثیتیں بسیط اور کیفی امکانات کے ضمن مین منور ہوتی ہین، اور اس طرح ایک بسیط اور محیط کل علم حاصل ہو جاتا ہے، شعور کی اسی بسیط اور محیط کل حیثیت کا اسلامی نام اقبال کے نزدیک لوحِ محفوظ ہے، اقبال نے وجدان کو کہین علم کے مقابلہ مین عرفان سے کہین نظر کے مقابلہ مین دل سے اور کہین عقل کے مقابلہ مین عشق سے تعبیر کیا ہے،

میری فطرت آئینۂ روزگار　　غزالانِ افکار کا مرغزار

رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے ، اور آنکھوں سے دیکھتا ہون مین

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے اور باطن سے آشنا ہون مین

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے تو خدا تو خدا نما ہون مین

تو زمان و مکان سے رشتہ بپا طائرِ سدرہ آشنا ہون مین

عقل و فکر

شعور کا بیرونی رُخ جو ذات کے بیرونی اور ظاہری پہلو سے متعلق ہے عقل و فکر ہے، ذات کا بیرونی اور ظاہری رُخ افعال کی کثرت ہے، جن کا سلسلہ متواتر چلا جا رہا ہے ان افعال کی کثرت اور تدریجی تسلسل سے زمانی اور مکانی علائق پیدا ہو جاتے ہین، تفکر کا ذات کے اسی رُخ سے تعلق ہے، اس لئے وہ اشیار کو نہ کلی اور وجدانی طور پر ادراک کر سکتا ہے، اور نہ غیر مجرد طور پر، دوسری اشیار کے اعتبار سے خود بھی مکانی بن جاتا ہے، یہ ہر چیز کو تدریجی مکان و زمان کے حدود مین ہی سوچتا ہے، کانٹ نے مکان و زمان کو تفکر کے عوارض مین قرار دیا ہے، اقبال بھی مکان و زمان کو تفکر کے عوارض مین سے ہی سمجھتے ہین، لیکن اقبال کے نزدیک یہ تفکر کے ذاتی عوارض نہین، بلکہ دوسری اشیار دوسرے لفظون مین متعلقاتِ تفکر کے اعتبار سے تفکر بھی مکانی و زمانی ہو جاتا ہے، یہ تجربات حیات کی تحلیل و تالیف کر کے ان کو مختلف مدارج مین ترتیب دیتا ہے، اور ان مجموعون اور عناصر پر نتائج کے اعتبار سے غور کرتا ہے، اقبال کے نزدیک تفکر وجدان کی ہی تکمیل ہے، کیونکہ زندگی کی حرکت ایک عضوی کل ہے، اور ہر عضوی کل کی طرح اوس کے درجات کی ایک ارتقائی تالیف کی ضرورت ہے، اور تفکر کا بھی یہی کام ہے، تفکر کا اصلاً تعلق منفرد افعال سے ہے، افعالِ ذات کے ظاہری اور کاروباری رُخ کے نمایندہ ہین، اس لئے اس کا تعلق بھی ذات کے بیرونی رُخ سے ہی ہو سکتا ہے، زندگی کا بطن یا حقیقت اس کی دسترس سے باہر ہے، ہمارے کاروبار کے لئے تفکر لازمی ہے، اور چونکہ

کاروباری رخ بھی حقیقت کا ہی ایک رُخ ہے، اس لئے تفکر کو بھی اکارہ نہیں کہا جا سکتا، حقیقت کے باطن کا ادراک وجدان سے اور اس کے ظاہر کا تفکر سے متعلق ہے،

عقل گو آستان سے دور نہین اسکی تقدیر مین حضور نہین،

خرد سے راہرو روشن بصر ہے خرد کیا ہے چراغِ رہ گزر ہے،

درونِ خانہ ہنگامے ہین کیا کیا چراغِ رہ گزر کو کیا خبر ہے

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات علم مقامِ صفات عشق تماشاے ذات

مقامِ فکر ہے پیمایشِ زمان و مکان مقامِ ذکر ہے سُبحان ربی الاعلیٰ

اقبال کے نزدیک خدا کا تصور

اقبال کے نزدیک واقعیت یا حقیقتِ مطلقہ ایک استمرار ہے، اس استمرار مین شعور، حیات اور مقصد متداخل ہین، ان تینون سے ملکر ایک قسم کی عضوی وحدت بنتی ہے، ایک عضوی وحدت کے لئے ذات کا تصور ناگزیر ہے، عضوی کل کے معنی ہی ایک منفرد متشخص اور اجتماعی ثبت کے ہین، اور یہ خصوصیت کسی ذات مین ہی ہو سکتی ہے، اس عضوی وحدت کو اقبال "انا" سے تعبیر کرتے ہین، کائنات کا ہر ذرہ ایک مستقل عضویت ہے، اور اسی لئے ایک منفرد "انا" ہے، کائنات کی ہر ذات یا ہر "انا" ایک ممتاز وحدت ہے لیکن ان مین سے ہر "انا" ممتاز باین معنی ہے، کہ وہ کائنات کا اپنے علاوہ کوئی دوسرا "انا" نہیں ہے، یعنی ہر ایک کا امتیاز دوسرے پر موقوف ہے، اس لئے ان کا امتیاز ان کی ذاتی صفت نہین، بلکہ اضافی ہے، اس قسم کے انا کو "انا" اضافی کہا جاتا ہے، اگر کوئی وحدت اس قسم کی ہو، جو بذاتہ متشخص اور ممتاز ہو یعنی اوس کا امتیاز دوسرون سے غیر ہونے پر موقوف نہ ہو، وہ اس لئے ممتاز ہو کہ وہ خود ہے، یہ امتیاز اس صورت مین ہی ہو سکتا ہے، کہ کسی دوسری شے کا وجود ہی نہ ہو، کیونکہ جب کوئی دوسری شے ہوگی، تو اس انا کے اوس دوسری شے سے ممتاز ہونے کی یہی صورت ہو سکتی ہے، کہ وہ دوسری شے نہیں ہے، اسی طرح اس کا امتیاز ذاتی نہ رہے گا ایسا

"انا خود بذاتہ ممتاز اور متشخص ہو اور اس کے امتیاز اور تعین کے لئے "اپنے غیر نہ ہونے کو کوئی دخل نہ ہو، بلکہ اس کا خود ہونا کافی ہو "انا مطلق" کہا جاتا ہے، واقعیت چونکہ ایک عضوی وحدت یا فعلیت بسیط ہے، اسکے علاوہ تمام چیزیں مظاہر ہیں، اور افعال ہیں، اُس فعلیتِ بسیطہ کے، لہذا وہ فعلیتِ بسیط "انا مطلق" ہے بذاتہ ممتاز ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، دوسری اشیا، اوس حیاتِ مطلقہ یا استمرار کے رواں اور دواں لمحات ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی نسبت سے ممتاز ہے اور اس لئے ہر ایک اضافی انا ہے،

اقبال کے نزدیک یہی "انا مطلق" الوہی ذات ہے، اقبال کا یہیں سے وحدۃ الوجود کا تصور شروع ہو جاتا ہے، کائنات میں کسی شے کی ہستی مطلق نہیں، وجود مطلق محض حیاتِ مطلقہ کا یا "انا کامل" کا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز کردار ہے اس فعلیتِ مطلقہ کا، اور تدریجی لمحہ ء استمرار مطلق کا، اوس وحدتِ مطلقہ کی ظہوری کثرت اوس کے جذبہ پیدائی کی معلول ہے

یہ وحدت ہی کثرت میں ہر دم اسیر — مگر ہر کہیں بے چگون بے نظیر
راز ہستی راز ہے، جبتک کوئی محرم نہیں — کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب — وہ جو تھا پردوں میں پنہاں خود نما کیونکر ہوا
جہان از خود بیروں آمدہ کیست — جمالش جلوۂ بے پردہ کیست

اس استمرار حقیقی میں پورا زمانہ ازل سے ابد تک بلا تقدم و تاخر بسیط شکل میں موجود ہے

بڑی تیز جولاں بڑی دور رس — ازل سے ابد تک رم یک نفس

یہ الوہی انا غیر متناہی ہے، باین معنی کہ اس میں تخلیقی امکانات کی کوئی حد نہیں، ان معنی میں منفرد اور متشخص ہے، کہ کسی غیر متناہی خلا میں پھیلا ہوا نہیں ہے، ان معنی میں غیر متغیر ہے، کہ اس میں سے نہ کوئی چیز کم ہو رہی ہے، اور نہ کوئی چیز زیادہ، وہ اس معنی میں متغیر بھی ہے، کہ اس کے تخلیقی

امکانات مسلسل اور متواتر کھلتے جا رہے ہیں، وہ مستمر عمل اور مسلسل فعلیت ہے، باشعور ہے اور بااراد،

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری — نہ ہے زمان نہ مکان لا الہ الا اللہ

فلسفہ اقبال کے اساسی نقطے

اقبال کا نظام فلسفہ چند تصورات پر مبنی ہے، اسکی بنیاد اس پر ہے کہ کائنات کی اصل ایک تخلیقی اور ارتقائی حرکت ہے مسلسل اور مستمر، اسی ارتقار کی آخری کڑی انسان ہے جس کا ارتقار محدود نہیں، یہ حرکت روحانی ہے، موجود حقیقی ایک منفرد و متشخص باارادہ اور باشعور ذات ہے، اس میں زمانہ مع ماضی، حال و مستقبل بسیط طور پر جذب ہے، اسیطرح پوری کائنات اپنی اپنی صلاحیتوں اور امکانات کے اعتبار سے اسمیں مضمر ہے، کائنات اسی ذات واحدہ کی ظہوری کیفیت ہے، جس کی کیفیت ذات مطلقہ کے افعال کی سی ہے، یہ ذات بالذات ممتاز ہے، اور دوسری چیزوں میں غیر کی نسبت سے امتیاز پیدا ہوتا ہے، اسی ذات واحدہ کو "انا مطلق" یا "الوہی ذات" کہا جاتا ہے، کائنات آزاد، بامقصد اور باغایت عمل ہے، شعور کا اندرونی رُخ جو وحدتِ مطلقہ سے متعلق ہے، وجدان ہے، اور بیرونی رُخ جس کا ذات کی ظہوری حالت سے تعلق ہے عقل و فکر ہے، باطن حقیقت کے علم کے لئے وجدان اور اس کے ظاہری اور کاروباری رُخ کے لئے عقل و فکر ضروری ہے، کائنات اپنے اندرون کے اعتبار سے ذاتِ مطلقہ ہے واحد اور بسیط بیرون کے اعتبار سے اعمال اور کثیر تدریجی زمان اور مکان کا تصور ذات کے ظاہری رُخ کی کثرت کا معلول ہے، مادہ اور روح میں کیفی فرق ہی، ذاتِ مطلقہ کے افعال بسیط اعمال ہیں، جن کی ترکیب و تالیف سے مادہ اور روح کی خلق ہے،

اقبال اور برگسان کے مشترک خیالات

اقبال اور برگسان دونوں کے نظاموں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے نظریوں کی بنا نفسیاتی تجربوں پر ہے، نفسیاتی احوال کی تبدیلیوں اور مسلسل تغیرات سے دونوں نے یہی نتیجہ نکالا ہے، کہ کائنات کا مبدء، ٹھوس اور جامد

شے نہیں اسکی ابتدا محض حرکت ہے، یہ حرکت اقبال اور برگسان دونون کے نزدیک تخلیقی اور ارتقائی ہے، انسان اس ارتقائی حرکت کی آخری ترقی یافتہ صورت ہے، یہ حرکت آزاد ہے یعنی سلسلۂ وجود مین نہ علل واسباب کو دخل ہے، اور نہ ماحول وحالات کو، کائنات اس معنی مین بالکل بے مقصد اور بے غایت ہے، کہ اوس کے لئے پہلے سے کوئی سوچا سمجھا ہوا منصوبہ نہیں ہے، جس کی طرف کائنات بہی چلی جارہی ہے، یہ حرکت دونون کے نزدیک باشعور ہے، یہ تخلیقی حرکت جانتی ہے، کہ اس سے فلان فلان افعال واعمال سرزد ہورہے ہین، کائنات کی ہر شے مسلسل فعل ہے، جس مین حیات یا حرکت رواں دواں ہے، اس کا حقیقی تسلسل ہمارے تفکر کی ساخت کی خصوصیت کی وجہ سے قطع ہوجاتا ہے، اور چیزین الگ تھلگ معلوم ہوتی ہین، اس تخلیقی حرکت کی نہ کوئی ابتدا ہے، اور نہ کوئی انتہا، یہ تخلیقی حرکت کبھی بیکار نہیں رہتی، کوئی نہ کوئی فعل برابر سرزد ہوتا رہتا ہے، اقبال اور برگسان دونون کے نزدیک عقل وفکر کا تعلق کاروباری زندگی سے ہے، بطن حقیقت اور اندرون ذات کے علم کے لئے وجدان ہی مفید ہوسکتا ہے، کیونکہ عقل وفکر کی بناوٹ اس قسم کی ہے، کہ وہ تسلسل اور لامحدودیت کی گرفت نہیں کرسکتی، زمانہ اپنے عام تصور کے اعتبار سے، دونون کے نزدیک ایک غیر حقیقی شے ہے، کیونکہ دونوں زمانہ کو تخلیق اور تاثیر مانتے ہین، اور زمانہ عام تصور کے اعتبار سے تاثیر اور تخلیق سے عاری ہے، زمانہ کا عام تصور محض مکانی جامد نقطون کا مجموعہ ہے، جس کا اشیاء کی وضعون سے انتزاع ہوتا ہے، اور اس لئے مکان پر منطبق ہے، اصلی اور حقیقی زمانہ ایک دوسرا ہے، جو استمرار محض ہے، اس سے اشیاء کی صرف معاصرتین یا تقدم اور تاخر معلوم نہین ہوتا، بلکہ یہ ایک تاثیری اور تخلیقی عنصر ہے، جو اشیاء کو پیدا کرتا ہے، اور ان پر اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے، اقبال اور برگسان دونون مدعی ہین، کہ کائنات ساختہ پرداختہ شے نہین ہے، جس کا خلاق فعلیت سے تعلق ختم ہوگیا ہے یا ہوجائے گا، بلکہ کائنات ہمیشہ بنتے بگڑتے رہنے کا عمل ہے، اسلئے

اس کا نہ خلاق فعلیت سے تعلق ختم ہوگیا ہے، اور نہ آیندہ ہوسکتا ہے، اس خلاق فعلیت کو اقبال خدا کے نام سے موسوم کرتے ہین، اور خدا کے اسلامی تصور کے ماتحت اوس کو مختلف صفات کمالیہ سے متصف کرتے ہین، برگسان کا اگرچہ کوئی واضح اور قطعی بیان نہین لیکن اس کی مشہور کتاب "تخلیق ارتقاء" مین اور اوس کے "روڈز لیکچرس" مین ایسے اشارے ملتے ہین جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے نزدیک یہی فعلیت مطلقہ خدا ہے لیکن اقبال اور برگسان کی خدا کے تصور کے متعلق تشریحیں کچھ مختلف ہین جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، اقبال اور برگسان دونون کے نزدیک واقعیت یا نفس الامری حقیقت کا وجود ہے، اور یہ واقعیت اور نفس الامری حقیقت ہمارے علم وفہم کی تابع نہیں، چنانچہ دونون اس اعتبار سے فلسفۂ واقعیت کے علم بردار ہین لیکن اس اعتبار سے دونون کا فلسفہ تصوری ہے، کہ دونون حواس کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے علم کی واقعیت کے منکر ہین، اور محض وجدانی تصورات سے کائنات کی توجیہ کرتے ہین، دونون کائنات کی بنیاد ایسے تصورات پر رکھتے ہین جن کا نہ حواس ظاہرہ سے احساس ہوتا ہے، اور نہ طبعیاتی اور کیمیاوی مشاہدات سے ان کی تائید ہوتی ہے، اور ساتھ ساتھ عقل وفکر اپنے تحلیل وترکیب کے معمولی طریقون سے اوس کا اثبات بھی نہین کرسکتی

اقبال کے فلسفیانہ نظام مین یہی وہ اہم نقطے ہین جن کا ماخذ برگسان کے خیالات کو بنایا جاسکتا ہے، اقبال کے کلام کے یہ نظریے خالص فلسفیانہ حیثیت رکھتے ہین، ان کے علاوہ اقبال کے نظام کے دوسرے اجزاء بڑی حد تک اسلامی مابعد الطبعیات اور مسلمان متصوفین او متکلمین کے اثرات ہین جن مین سے غالبًا بعض کو صرف اسلامی الٰہیات کی ضرورت کی وجہ سے اس نظام مین جذب کیا گیا ہے اور بعض کو خواہ مخواہ دوسرے اجزاء کی ضرورت کی وجہ سے لزومًا تسلیم کرنا پڑا ہے،

(باقی)

فارسی پر اردو کا اثر

از

جناب غلام مصطفٰی خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار

(۲)

چوتھا دور، دسوین اور گیارھوین صدی ہجری (یعنی سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی) اس دور کے شروع ہوتے ہی مذہبی پیشواؤن کے علاوہ دُنیوی حاکمون اور اُن کے وابستگان سے ہمیں زیادہ واسطہ پڑتا ہے یعنی ہمین مغلیہ عہد کی فارسی کا جائزہ لینا ہے، یہ دور ایسا ہی کہ اس مین اردو کا صحیح اور عام رواج پایا جاتا ہے، اور وہ رواج ایسا ہے کہ جس کے سامنے فارسی سکون کا چلن گھٹ گیا، بلکہ بابر کی تزک جو ترکی مین تھی، وہ بھی ہماری اردو کی محتاج ہوئی، اور ہاتھی، پان، پنکھا، جامن، کمرک، کیوڑا، کیلا، کروندا، چرونجی، گلہری، مور وغیرہ، الفاظ نے اُسکی زینت بڑھائی، پروفیسر حامد حسن صاحب قادری نے تاریخ داؤدی سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، (عالمگیر، خاص نمبر ۳۵ء ص ۳۵) کہ جب جنگ پانی پت (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) مین بابر نے سلطان ابراہیم لودی کو شکست دی، تو کسی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھے:۔

نوسے اوپر تھا بتیسا پانی پت مین بھارت بھیا — اٹھئیں رجب گروارا بابر جیتا براہیم ہارا[1]

پھر بابر کا وہ شعر بھی ہے جسمین ترکی اور اردو الفاظ ہین، اور جس کو سب سے پہلے مولنا عبدالحی صاحب

[1] یعنی جمعہ ۸ رجب ۹۳۲ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۵۲۶ء،

نے گل رعنا مین نقل کیا تھا، اسی کے ساتھ ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء مین رومی خان والیٔ گجرات پر طوطے کا تبرا بھی یاد آتا ہے، لیکن اکبر سے لیکر شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد تک ہمین ایسے فارسی نژاد شعراء ملتے ہین جن کے کلام پر ہماری اردو نے بہت زیادہ اثر کیا، اور ان کی فہرست مین کم از کم حسب ذیل ضرور قابل توجہ ہین: یعنی عرفی (المتوفی ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء)، ظہوری (المتوفی ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) محمد قلی سلیم (المتوفی ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء) کلیم (المتوفی ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء) مُلا طغرا مشہدی (المتوفی ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء) صائب (المتوفی ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء) ملا سعید اشرف مازندرانی (المتوفی ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء کے بعد) سالک یزدی (المتوفی ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء) سنجر کاشی (المتوفی ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء) مسیح کاشی (المتوفی ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ء)، میرزا نظام (المتوفی ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء) میرزا محسن تاثیر (المتوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) وحید، خواجہ عصمت بخاری، حکیم ہمام وغیرہ وغیرہ، مغلیہ دور کی شعر نوازی نے جس طرح ایران کے بڑے سے بڑے شاعر کو ہندوستان کا گرویدہ بنا دیا، اور یہان آنے پر مجبور کر دیا، اسی طرح ان بادشاہون کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے ان شاعرون کو بھی ہماری زبان کے الفاظ استعمال کرنے پر بالواسطہ مجبور بنا دیا، کیونکہ ان بادشاہون نے جب ہندو رانیون سے شادیان کین، تو یہ ضرور ہے کہ اُن کی زبان بھی پسند کی ہوگی، اور جب انھون نے اس زبان کو مُنہ لگایا تو ظاہر ہے کہ ان شاعرون کیلئے بھی وہ ناگزیر تھی، چنانچہ ان کے یہان بےشمار ہندوستانی (اردو) الفاظ پائے جاتے ہین، جن کو ہم مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کرتے ہین:۔

(۱) عیش و طرب کے لوازم اس عنوان کے متعلق بحث کرتے ہی سب سے پہلے "معشوق" کا ذکر ہونا چاہئے کیونکہ بغیر اُس کے "عیش و طرب" کا لطف ہی نہیں، اردو شاعری مین معشوق کے حُسن کو سُنہرے رنگ سے تشبیہ دیتے ہین، جیسے ولی کا شعر ہے:۔

شکل تجھ بُت کی جو مجھ دل مین ہوئی ہے منتقش — ہے سمندر کی نمط آتش مین تصویر طلا[1]

[1] کلیات ولی ص ۳۹،

یا ذوق کا شعر ہے :-

مصحفِ رُخ پہ ترے، رنگ سُنہرا تیرا　　واہ کیا خوب ہے سونا سرِ قرآن چڑھا

لیکن یہ رنگِ طلائی فارسی شعرا کے یہان ہمیشہ "عاشق" کے لئے استعمال ہوتا ہے، ہماری اردو کا اثر دیکھئے، کہ محسن تاثیر جو بقولِ آرزو ہندوستان بھی نہیں آئے، معشوق کے رنگ کو یہان سے اڑالے گئے :-

آن رنگِ طلائی خطِ مشکین خواہد　　ہر جا کہ گل جعفریست با ریحان است[۱]

پھر معشوق کے "سنگار" کے متعلق سعید اشرف کہتے ہین :-

آن را کہ ہمین کار بہ سنگار بُوَد　　با سنگِ افغان چہ تواند کردن

جب معشوق ہوگا تو اوس کے جال مین کون نہ پھنسے گا :-

گہے مفتونِ زلفش گہ گرفتارِ زنخدانش　　اگر از چاہ بیرون آمدم در جالہ افتادم[۲]

جب معشوق کا ذکر آیا، تو شاعر کے لئے بلبل کی یاد ضروری ہے، چنانچہ ہندوستان مین بلبل کی قائم مقام "مینا" کو سمجھ کر زورِ قلم صرف کیا، شاہد گیلانی کہتے ہین :-

شعلہ در سایۂ زلفت گل شبو گردد　　بطرے پیش تو مینائے سخنگو گردد[۳]

مُلا طغرا مشہدی نے "مینا کی راگ" کو بھی پسند کیا ہے :-

موسم آن باشد کہ مینا راگ ہندی سر کند　　شاخ و برگِ نغمہ را از آبِ ترنم تر کند

اور محسن تاثیر بھی کہتے ہین :-

مگر از شیوہ ہائے راگ ورنگش　　برقص آرد فلک را سازِ چنگش

طغرا گیت کو نہیں بھولتے :-

---

[۱] چراغِ ہدایت [۲] محسن تاثیر [۳] منتخب النفائس ص۱۶

بُوَد گیت نزد طرب سنج رود　　درین کشورِ ذوق نامِ سرود

اسی موسیقی کے ساتھ ستار کے مہمل الفاظ "تانی تنہ" بھی میر ہمام یاد کرتے ہین :-

دانستنِ معرفت بہ تانی تنہ نیست　　اثباتِ ظہورِ ذات رابینہ نیست[۱]

جب ساز اور راگ کا ذکر آیا تو "مندل" بھی ہونا چاہئے، جو بقول صاحب رشیدی ایک قسم کا ہندوستانی ڈھول ہے، ملا طغرا کہتے ہین :-

چو مندل پا نہد در بزمِ نغمہ　　نیا بد دف سرِ موجا ازین ساز

اسی سلسلہ مین ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کا "طنبورہ" موسوم بہ "موتی خان" نہ بھولئے، سنجر کاشی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

رواست کورنش و تسلیم ازان بہ موتی خان　　کہ شاہ چون خلفانش گرفتہ در دامن

اور خود "طنبورہ" بھی بقولِ صاحبِ بہارِ عجم، "تونبرہ" کا معرب ہے۔

سازون مین "صنج" کو بھی نہ بھولنا چاہئے، جو ص اور ج کی موجودگی کی وجہ سے عربی الاصل نہین ہوسکتا، لیکن بقول آرزو "چنگ" کا معرب معلوم ہوتا ہے، اور معنوی حیثیت سے ضرور ہندوستانی "جھانجھ" کا معرب ہے، ان ساز باز کے ساتھ "شطرنج" بھی آجاتا ہے، جو اگر فارسی "سترنگ" کا معرب ہوسکتا ہے، تو ہندی "چترانگ" کی بھی شکل ہونے مین شک نہین، کیونکہ ہم دیکھتے ہین، کہ راحت الصدور ص۴۰۴ مین صصہ بن داہر الہندی کو شطرنج کا موجد کہا گیا ہے، (رسالہ عالمگیر خاص نمبر ۱۹۳۵ء مین "تاریخ شطرنج" ایک مفصل مضمون مولانا ابو یوسف سخی مرحوم کا نکلا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ صصبہ کے بجائے ششہ صیصہ زیادہ بہتر تھا)

عیش و طرب کے لوازمات مین شاعرون کے یہان "پینا" اور "کھانا" بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر

---

[۱] چراغِ ہدایت،

"گلابی" کی تعریف صائب کے یہاں ہے :-

یک گلابی مجلس ما را گلستان می کند ے کشاں را بادۂ گلرنگ خندان می کند

تو اس ہندوستانی شراب کی مذمت بھی انھوں نے کی ہے، جو غالبؔ گڑ سے بنائی جاتی ہو :-

مُردہ دل درسینہ اش ہر کس شراب گو رخورد بادۂ انگور واٰبِ خضر از یک چشمہ است

اسی طرح "دارو" کے صحیح معنی اگر "بارود" بھی ہیں، مثلاً بندوق کے متعلق وحید کہتے ہیں :-

زداروے او دشمنان را علاج نماید حکیم مسیحا علاج

تو اسی "دارو" کے معنی "شراب" بھی لئے گئے ہیں جو خالص اردو لفظ ہے، سعید اشرف ایہام کیسا کہتے ہیں :-

کہ از میکشی کردہ دارو کشی بستی بود پیکرش نرم وصاف

اسی شراب کے ساتھ ہندوستان کی صراحی "چھاگل" بھی ظہوری لے آتے ہیں :-

چاگلِ من نباید از عارم، ہوشان چگل بفخر کشند،

ملا طغرا مشہدی اپنے ساقی سے کہتے ہیں :-

کہ از تندیش غم نگیرد مقام بیا ساقی امشب عرق کن بجام

کز و نیست میخوارہ را دردسر بشرطیکہ باشد عرق از شکر

وحید بھی اسی دیہاتی شراب کی یاد کرتے ہیں :-

مست نمود بے خبر این عرقِ شکر مرا ریخت زعکس لعلِ تر اشک زچشم تر مرا

لیکن صائب کی رائے صائب اس کے متعلق یہ ہے :-

حرام زادہ کجا چوں حلال زادہ بود عرق بپاکیٔ گوہر کجا چو بادہ بود

اس "پینے" کے ساتھ "کچھ کھانا" بھی چاہئے، عالمگیر نے یہاں کی کھچڑی کی تعریف اپنے کلماتِ طیبات

(گل رعنا) میں کی ہے، لیکن ان سے پہلے سالک یزدی بیزار ہو کر کہتے ہیں :-

ہوسِ خوانِ سیم و زر نکنم، سیر گشتم ز کھچری ایام

لیکن "شراب" کے ساتھ "کباب" ہی ہونا چاہئے، چنانچہ محسن تاثیر نے "کباب ہندی" کو نہ چھوڑا :-

دلم ز حسرتِ خالش کباب ہندی شد ہمیں بہ سیخ جگر زلفش از بلندی شد

پھر "کھانے" "پینے" کے بعد پان کے لئے تنبولی کے پاس کلیم کو جانا پڑا، لیکن پچھتائے تو کہنے لگے :-

کہ جز خون خوردن از وی نیست حاصل[۱] منہ بر وعدۂ تنبولیان دل

لیکن ظہوری تو تعریف کرتے ہیں :-

غنچہ چون بشگفد گرفتہ اُگال، چمن از پان گزیدنت رنگین،

پھر اور کہتے ہیں :-

دہنش اگر نازنینان اُگال شود چہرۂ زرد خورشید آل

خان آرزو کی آرزو بھی پوری ہوئی ہے :-

این بوسہ بہ پیغام چہ رنگین مزہ دارد پان خوردہ بمن داد اُگال آن بتِ ہندی

لیکن اگر اگال، کپڑوں پر پڑ جائے، اور دھوبی کی ضرورت ہو، تو کلیم اس کی صفائی کے متعلق بھی کلام کرتے ہیں :-

از ان بے پردہ مجوبے چہ گوئیم[۲] ز حسنِ شستہ، دھوبی چہ گوئیم

یہاں تک تو عیش وطرب اور کھانے پینے کے لوازمات بتائے گئے، اب معاشرت کے متعلق بھی بعض چیزیں سُن لیجئے،

(۲) معاشرت کے متعلق لوازمات | رہنے سہنے اور سواری کے لئے انسان بہت سی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے

[۱] شعر العجم جلد ۳ [۲] شعر العجم جلد ۳،

چنانچہ "پلنگ" ایک اوسط درجے کے آدمی کے لئے بڑی ضروری چیز ہے، ملا سعید اشرف اسکی یاد اس طرح کرتے ہین :-

پلنگ بید باف از سایۂ بید　　پے خواب بہارش فرش کرد

پھر اس "پلنگ" کے لئے ملا طغرا مشہدی کو "ساق منجہ" کی ضرورت ہوئی :-

زچوب خشکِ تم ساق منجہ می خواہد　　شود بہ ہند چو خواہد چرخ بر سرکار

"پلنگ" کے علاوہ "کھاٹ" بھی کارآمد ہوتی ہے، لیکن جب اوس کے بھدے پن کو زندہ کرکے صاف کیا گیا، تو "کت" ایک بلند مرتبہ چیز ہوگئی، چنانچہ فرخی اور مسعود سعد سلمان کی طرح ملا طغرا مشہدی بھی اُس کا رتبہ اس طرح ظاہر کرتے ہین :-

شاہ را پالکی بدین صفت است　　بر در بارگاہ چرخ کت است

پالکی کی تعریف کلیم نے بھی کی ہے :-

او گیر و اوسہ ہمہ دریک زمان گرفت　　تا شد ظفر بر آلکی و پالکی سوار

ملا طغرا بھی کہتے ہین :-

نشست تا در پالکی نہ چرخ کہار آمدہ[1]　　چون کردہ رو بر پالکی گردیدہ خاور پالکی

جب "کہار" کا ذکر آیا تو "غلام بارہ" کی بھی ضرورت بجا ہے، سعید اشرف کہتے ہین :-

زین رو غلام بارہ توان گفت خواجہ را　　بر دو در اوز خیل غلامان بود حصار

(بقول آرزو، بارہ درہندی حلقۂ مردم است، چراغ ہدایت)

ملازمون کے سلسلے مین عرفی نے "خواص" لفظ استعمال کیا ہے، جو اس معنی مین یقیناً اردو لفظ ہے، اور جو عرفی کے یہان "جھگڑے" کے بعد دوسرا اردو لفظ ملتا ہے، ان کا مصرع ہے :-

[1] سخندان فارس، دسوان لکچر۔

ع آبدارت ابر نیسان و خواصت آفتاب

ملازمون مین ہاتھی کا "مہابت" بھی شامل ہے، چنانچہ سلیم کے یہان یہ لفظ سلامت ہے :-

مہابت پیش پیلے را کہ بازنجیر می آید　　محبت باخلائق جمع چون گردد بلا باشد

ہاتھی اور مہابت کے سلسلے مین ایک بات یاد آئی، کہ ہمارے یہان جو تیز بارش کو "ہتھیہ بارش" کہتے ہین، اوس کا ترجمہ کلیم نے "فیل باران" کیا ہے :-

کہ از فیل باران برہنہ تنا　　شدے فیل از تیر لرزان چنان

ہاتھی کے ساتھ ایک "گھوڑے" کی حقیقت بھی سُن لیجئے، خواجہ عصمت بخاری ایک گھوڑے کی جو مین اسکی "نکیل" کا ذکر کرتے ہین :-

کش طاقتِ گسستن این ریسمان نبود[1]　　از تار عنکبوت ہمی کردمش نکیل

ان چیزون کے علاوہ معاشرت مین اوڑھنا بچھانا بھی آجاتا ہے، پتہ یہی چلتا ہے کہ "دولائی" اور "رضائی" بھی ہندوستان ہی مین بنائی گئین، تاثیر کہتے ہین :-ع

قبائے خود گل رعنا چرا دولائی کرد؟

یہان دولائی کی بحث اگر لائی گئی ہے، تو ساتھ ہی قبا کا تعلق پنبہ سے سمجھئے، کیونکہ خان آرزو چراغ ہدایت میں یہ وضاحت کرتے ہین، کہ "در ہندوستان قبا جامۂ پنبہ دار را گویند" چنانچہ محسن تاثیر کے یہان بھی یہی معنی نکلتے تھے، اب ملا طغرا کے یہان بھی دیکھئے، کہتے ہین :-

بے قبا منیش بہ پیراہن مخواب　　شب ہوا سرد است طغرا چون حباب

احمد دین صاحب نے "سرگذشت الفاظ" ص ۱۶۰ مین رضائی کا تعلق محمد رضا سے بتایا ہے، اور میر محمد راجح سیالکوٹی[1] کا یہ شعر پیش کیا ہے :-

[1] بیاض مولانا راشد برہانپوری۔

از رضا دادیم دل باسردمہر بیاے یار   در زمستان ہر کسے فکرِ رضائی می کند

لیکن مولانا عبدالحق صاحب (تنقیدات عبدالحق مطبوعہ حیدرآباد ص ۱۳) لکھتے ہین کہ اسکا

املاء "زائی" ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ عموماً رنگے ہوئے کپڑے کی بنائی جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ خیال بھی

صحیح ہو، لیکن بیدل (المتوفی ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء) کے یہان بھی "رضائی" ہے :-

زتشریف حکمت نہ کردیم عریان   چو بیدل شو و پوششِ مارضائی

"دولائی" اور "رضائی" کو "چھاپنا" بھی ضروری ہے، تو اگر ہم نے ایران کو طباعت کے لئے "چاپ کردن"

مصدر دیا ہے، تو ساتھ ہی امتیاز خان خالص (المتوفی ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء) کو اس "چھاپنے" سے خالص شاعرانہ

خیال بھی بخشا ہے :-

اگر ز وصلِ تو نقشم بکام بنشیند   ز بوسہ چھاپہ کنم اطلسِ فرنگ ترا،

اسی معاشرت مین روپیے پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، وحید اس کا ذکر کرتے ہین :-

کلہ پز را پیسہ دادم کلہ دہ او پاچہ داد   ہر کہ با کم مایہ سودا می کند پا می خورد

یہی پیسہ ملا طغرا کے سرمایۂ کلام مین بھی ہے :-

بگو کیسۂ غنچہ را پیسہ بست،   کہ پولِ سیہ باب این کیسہ بست

روپیے پیسے کے معاملہ مین "مہاجن" صاحب کب چوک سکتے ہین، چنانچہ وہ بھی کلیم کے کلام

مین موجود ہین :-

ہمہ سرمایۂ دریا و معدن   فتادہ در دکانِ یک مہاجن

مہاجن کے ساتھ ان کی "ہنڈی" کا تذکرہ بھی آجانا چاہیئے، محسن تاثیر کہتے ہین :-

دو صد نقدِ دل از زلف گرہ گیر   علامت کردہ ہنڈوی بکشمیر

(۳) ہندوستان کے جادو کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے | اپنے یہان مشہور ہے اور چھتیس گڑھ کمشنری (ممالک متوسط) مین اب بھی یہ قصے

سننے مین آتے ہین، کہ کسی "ڈائن" نے فلان شخص کو دیکھا، اور دیکھتے ہی اس کا کلیجہ اپنے قبضہ مین کرلیا

اور وہ مرگیا، اسی ڈائن کو امتیاز خان خالص کے والد باقر دزیر قورچی نے "جگرخوار" کہا ہے اور مضمون

اس طرح باندھا ہے :-

ہندوے جگرخوار بود چشم سیاہش   در زخم دلم ریشہ دوانیدہ نگاہش

اسی قبیل سے "چنڈال" بھی ایک بلا ہے، حکیم قطران کی طرح ملا طغرا مشہدی نے بھی یہ لفظ باندھا ہے:

بہ نگہبانیٔ چنڈال کہ در وجمن است   خضر را گم شدہ نعلین و عصا در کشمیر

ان بلاؤن سے بچنے کے لئے دستی عمل والے بھی اپنے گرد حصار کھینچ کر ورد کرتے ہین، سلیم اسی مضمون

کی طرف اشارہ کرتے ہین :-

چہ سادگی است کہ خالِ لبِ تو آخر کار   بگردِ خویش چو ہندو خطِ حصار کشید

مسلمان بھی اسی جادو کے مارنے کے لئے قرآن پاک کی سورۂ فلق اور ناس یا کوئی اور آیتین پڑھتے

ہین، اسی کی طرف مسیح کاشی کا اشارہ ہے :-

جادوے زلفِ تو با مصحفِ رُوہم خانہ است   این چہ جادو است کہ قرآن نتواند زدنش

(۴) اردو کے محاورات | اب اردو کے کچھ ان محاورات کو بھی سن لیجئے جو فارسی مین رائج ہوگئے ہین مثلاً :-

(ا) اردو کا ایک محاورہ ہے، "شرم کے مارے پانی پانی ہوجانا" یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ

اس کا ترجمہ "آب شدن" ضرور اردو کا فیض ہے، صائب کہتے ہین :-

ہلال غبغبِ جانان لطافتے دارد   کہ از اشارۂ انگشت آب می گردد

یا محسن تاثیر کا شعر ہے :-

شکر کہ برد دل زجہانے بہ حلاوت   آب ار نہ شود پیش لبت از سرِ خامی است

(ب) "آب آوردن" یعنی کسی چیز کو مفت حاصل کرنا بقول صاحب مصطلحات الشعراء یہ محاورہ ہماری

زبان سے فارسی میں لیا گیا ہے، مخلص کاشی کا شعر ہے :-

چون درین بحرِ پر آشوب نظر باز کنم چشم من آب نیاورده بماند چو حباب

(ج) کم از کم ہندوستان میں یہ ضرور ہے کہ جب رنگریزوں کے نیل کے مٹکوں میں اُبال آجاتا ہے،
جسے مانٹ بگڑنا کہتے ہیں، تو وہ لوگ کوئی بات بے پر کی اُڑاتے ہیں، اور اوس سے یہ فائدہ تصور کرتے
ہیں، کہ وہ اُبال بیٹھ جاتا ہے، اسی خیال کو مدِ نظر رکھکر میرزا نظام کہتے ہیں،

حرفِ وصلِ من و او می گویند به زبان رفته خمِ نیلِ فلک[1]

(د) "چشم پریدن" ضرور فارسی میں ہے، جیسے صائب نے لکھا ہے :-

چنین که می پرد از حرص خاکیان را چشم عجب اگر پرِ کاہے بکہکشان ماند

لیکن ہمارے یہاں آنکھ پھڑکنے ایک اعتقاد ہے، کہ کوئی شخص اگر ہم کو یاد کرتا ہے، تو ہماری آنکھ
پھڑکتی ہے، علی قلی خان نے اسی خیال کو باندھا ہے :-

می پرد چشم منم پیکے از ایران می رسد نامۂ شاید بمن از پیشِ سلطان می رسد[2]

(ه) "جک زدن" "جھک مارنا" بھی اردو کا محاورہ ہے، میر جلال الدین غالب کا شعر ہے :-

ہر گفتۂ واعظ نتوان ترکِ طرب کرد توبہ کند آن مرد کہ جک زدہ باشد[3]

(و) "مگس پرانیدن" "مکھی اُڑانا" یا "مکھی مارنا" اردو کا محاورہ ہے، ظہوری نے باندھا ہے :-

مصریان چون نہ پرانند مگس با دلِ تنگ زہر نوشان تو گر کام بہ شکر نہ دہند

(ذ) "دست زیرِ شال بردن" بقول آرزو (چراغ ہدایت) تشخیص و قرار دادنِ قیمت مطلقاً در
ہندوستان این رسم مخصوص دلالانِ اسپ است، سعید اشرف کا شعر ہے :-

بہلیۂ سود ابود دلالِ او می برد دستے بزیرِ شالِ او

[1] (بہار عجم ج ۲ و منتخب النفائس ص ۵۳ ، ، ص ۶ ،

(۵) متفرقات | اس متفرقات کی فہرست میں ہماری زبان کے چند بکھرے ہوئے الفاظ اور سُن لیجئے
جو فارسی شعراء استعمال کرنے پر مجبور ہوئے، ہندوستان کے مشہور تیوہار دیوالی (دوالی) کے چراغان
کی روشنی دیکھئے :-

وحدت گیلانی :-

زلفت زنقد دلہا انداخت گنج وافروخت از عارضت چراغے چون ہندی ڈوالی

اور محسن تاثیر بھی کہتے ہیں :-

از بادہ چراغ کن روشن چشم تو در ہندوی دوالی

ایک لفظ جوڑہ مسیح کاشی کے یہاں ہے :-

شہبا زِ فلک جوڑۂ این کرگس نیست چون خرقہ سالم فلکِ اطلس نیست

"چوکھنڈی" کی شان سعید اشرف اس طرح بتاتے ہیں :-

چوکھنڈی شکوہش اگر سایہ انگند فیلِ سپہر شانہ بدزدد بزیر پا،

"چیرہ" بقولِ آرزو ہندوستان کی پگڑی ہے، سلیم کہتے ہیں :-

زعکس ماہ و موجِ آب در شبہا بجوش آیم کہ پندارم بتِ من چیرۂ زرتاری بند د

نعمت خان عالی کے یہاں کئی لفظ ہیں، مثلاً چیلہ :-

مشغول بہ چوبدار و فراش مشغوف بہ بار گیر و چیلہ

ایک لفظ "سگھڑ" بمعنی زیرک بھی اُن کے یہاں ہے :-

اے خدا عالی بیچارہ بہند آمدہ است نازنین شوخ ظریفے سُگھڑے می خواہد

سخندانِ فارس کے دسویں لکچر میں مولانا آزاد نے اس لفظ کو مقام "سکھر" سے منسوب کیا ہے،
لیکن فرہنگ آنندراج جلد دوم ص ۴۳۸ ، اور بہارِ عجم سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لفظ "سگھڑ" بر وزن "ہنر"

بمعنی "زیرک" ہی صحیح ہے)

مگر مجھے سید اشرف کے شعر مین ہے :-

گردن شکستہ کہ بہ نسبت وزیر اوست — از پاے تا بہ سر چو پگر پیچ ہمہ گلو است

تنبا کو جو عہد اکبری مین ہندوستان آئی، اسکی تعریف نظیری نے خوب کی ہے، (شعر العجم جلد ۳)
لیکن اوس کے پینے کے لئے "حقہ" بھی یہیں بنایا گیا، میر امامی :-

حقہ ریزد عطر از گلہاے زنگار نگ او — خوشتر است از بوے ریحان دود تنبا کو مرا

گل کا ذکر آیا تو ہندوستان کو نہ بھولنا چاہئے، کیونکہ یہیں "گل" کو "گلاب" بھی کہا گیا، اور ملا طغرا
بھی ہندوستانی گلاب کی خوشبو کا لطف اٹھانے لگے :-

زخوے آل نبی چون گل گلاب شد است — شقایق از حسد بخت گل کباب شدہ است

ہندی معشوق کی پیشانی کا ٹیکہ بھی ایک "گل" ہی ہے، جو ملا طغرا کو پسند آیا،

گل ٹیکہ بر طاق ابروے او — بود خار رنگین تر از روے او

ظہوری نے "جگت گروئی" کی داد دی ہے، کہتے ہین :- بار جگت گروئی یعنی استادی عالم
بر گردن گرفتن و زحمت تربیت شاگردان کشیدن غرض التفات و مرحمت است ....."

(نثر دوم۔ صفت نہم)

پھر بعض الفاظ یہین بیٹھ کر بنائے گئے، مثلاً یہان کی ایک گھاس کو بقول علامہ سید سلیمان
ندوی (نقوش سلیمانی ص ۲۹) "خس" کہہ کر خس خانہ بھی بنایا چنانچہ فصیحی ہروی کہتے ہین :-

آسمان ماتم خس خانہ خود گیر کہ سوخت — آتش نالہ ما دشت شکیبائی را

کار خیر بھی یہیں انجام پایا، جو بقول صاحب غیاث اللغات، بیٹی کے نکاح کے لئے
مستعمل ہے،

ہندوستان[۱] مین بعض مقامات کا پانی ایسا ہوتا ہے، کہ اوس کے پینے سے "نارو" امرض پیدا ہوجاتا
ہے اور ہاتھ پیر کے بعض جوڑون سے تار سے نکلتے ہین، محمد قلی سلیم اسے "رشتہ" کہتے ہین :-

ہر ریشہ رشتہ ایست کہ از پا بر آمدہ است — آب و ہواے این چمن ساز گار نیست

اور اسی رشتہ کے معنی اردو مین "قرابت" ہین، سلیم کہتے ہین :-

کمرش را سلیم تنگ بگیر — باخبر باش رشتہ باریک است

زمیندار بھی غالباً یہیں بن بیٹھے، محسن تاثیر کہتے ہین :-

درجہان آباد گلزارش ہزارے بلبل است — از زمینداران ہند و طرہ او سنبل است

ہندی مین ایک لفظ "جات" بمعنی قوم و نسل ہے، اردو مین ہم نے اُسے "ذات" بنالیا، اور یہی
لفظ فارسی مین بھی آگیا، متقدمین مین سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ / ۱۱۶۹ء) کے یہان ہے :-

بخلق و خلق زشت و بد بجز ردوز لیست ام و — باصل و ذات دون و بہ قول و فعل نحو رو شر

اگر اس شعر مین "ذات" کے یہ معنی نہ بھی لئے جائین، تو کم از کم ملا طغرا کے یہان ضرور یہی معنی نکلتے ہین:

گر گشاید از قدح نوشے بطے را دہن — ذات مرغابی است خواہد صاحب منقار شد

ایک جگہ اور لکھتے ہیں، :-

شوخ سوسن را بگو دل می رباید قشقہ ات — ذات رجپوت است ترسم دست بر جمدھر کند

یہان ذات کے ساتھ "جمدھر" ایک دوسرا لفظ آگیا، یہ بھی یہین کا لفظ ہے، اور خنجر کے معنی مین آتا
ہے، جیساکہ ولی کے یہان بھی ہے :-

صف مژگان خوبان مل کے یکسر — اٹھے ہین عاشقان پر کھینچ جمدھر[۲]

ہان تو "ذات" کے متعلق بحث تھی جسے ہم ذال سے لکھتے ہین، لیکن چونکہ یہ ہندوستان

---

[۱] معارف :- یہ مرض بخارا مین سُنا جاتا ہے، اور اوسکو وہان رشتہ کہتے ہین [۲] کلیات ولی ص ۲۳۵

ہی کی پیداوار ہے، اس لئے محترمی ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی زور دیتے ہیں، کہ اُسے "ذال" کے بجائے "زے" سے لکھنا چاہئے، (ملاحظہ ہو رسالہ "ہندستانی" جنوری ۱۹۳۱ء ص ۱۹)

ان بدعاتِ حسنہ میں ظہوری کی کوششیں بھی فراموش نہ کرنا چاہئے، لفظ "خراط" جو طاے تھا، غالباً ظہوری نے سب سے پہلے دال سے لکھا، اور اب خراد ہمارے یہاں دال ہی لکھا جاتا ہے، ظہوری کی یہ بدعت اس طرح ہے :-

فرزاز استقامتش خراد | زندہ کردہ است کجروی زنہادلہ

ایک اور لفظ "مکتب خانہ" ظہوری نے غالباً سب سے پہلے لکھا، اُن کی نثرِ دوم (صفت نہم) میں ہے: "اربابِ استعداد را صحبت کتاب خانہ کہ مکان فیض الٰہی است و مکتب خانہ اوستادانِ معنی اعنی شاگردانِ اعلیٰ حضرت ظلِ الٰہی روزی باد ......" پروفیسر عبد الغنی صاحب نے اپنی کتاب "ادبِ دورِ مغلیہ" کی تیسری جلد ص ۲۵۰ میں اس جگہ "مکتب خانہ" کے بجائے غالباً اصلاح کرکے "کتب خانہ" کردیا ہے، لیکن چونکہ ص ۲۰۲ پر اونھوں نے اوس کا ترجمہ "اسکول" ہی کیا ہے، اس لئے ممکن ہو کہ "مکتب خانہ" کے بجائے "کتب خانہ" کاتب کی مہربانی سے ہو، بہرحال اس میں شک نہیں کہ ظہوری نے "مکتب خانہ" ہی لکھا ہے، جیسا کہ اس کے ایک شعر سے بھی ظاہر ہے :-

کنم در عشق مکتب خانہ خود کوہ و ہاموں را | بیاموزم طریقِ عاشقی فرہاد و مجنوں را

صائب نے بھی لکھی ہے :-

تا مبادا آگاہ از ذوقِ گرفتاری شوند | می کنم آزاد طفلان راز مکتب خانہا

اسی لئے جب "مکتب خانہ" صحیح ہے، تو شاید اردو شاعروں کا "مکتب ستان" بھی صحیح ہوگا،

بہرحال یہاں تک سترہویں صدی عیسوی تک کے ایسے فارسی اشعار اور عبارتیں پیش

لہ نثر سوم،

کی گئیں جن پر ہماری اردو نے اپنا اثر کیا تھا، لیکن پھر اردو کا یہ اثر اپنی تاثیر اور دلکشی میں اتنا زیادہ بڑھ گیا، کہ لوگ فارسی کی شیرینی بھول گئے، اور اٹھارہویں صدی عیسوی (یعنی بارہویں صدی ہجری) کے شروع ہوتے ہی دلّی کی ولایت اور بادشاہت نے فارسی کی بچی کھچی پونجی کو بھی مالِ غنیمت سمجھ کر چھین لیا، اسی لئے غالباً انوری نے کہا تھا :-

تا عشقِ تو در سینہ مکان کرد کرا جا؟
کس دید در آفاق بہ یک شہر دو راجا،

ابوالبرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

از

سید سلیمان ندوی

(۳)

گذشتہ نمبر میں کہا گیا تھا کہ ابوالبرکات کی زیادہ توجہ بجائے قیاسات اور کلیات کے مشاہدات پر ہے، اسکی کتاب سے چند مثالین یہان بیان کیجاتی ہین :-

(۱) چاند مین جو نشانات نظر آتے ہین، اُن کی حقیقت کے بارہ مین لوگ مختلف الرائے ہین، ابوالبرکات کہتا ہے :-

"چاند کے نشانات مین لوگ مختلف رائے رکھتے ہین، بعض لوگ کہتے ہین، کہ یہ نشان زمین کی شکل کا عکس ہے، لیکن یہ نشان چاند کے اندر نہیں ہے، جس طرح کہ آئینہ میں صورت نظر آتی ہے، لیکن صورت اس کے اندر نہین ہوتی ہے"۔

اس سلسلہ مین ابوالبرکات دوسری رائین نقل کرتا ہے، اور ان کا رد کرتا ہے، پھر کہتا ہے،

"متقدمین کی باتون سے کوئی قابلِ توجہ چیز نہین معلوم ہوئی"

اپنی رائے ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے :-

"اس بارہ مین جو کچھ ہم سمجھ سکے ہین، وہ یہ کہ وہ جز یا اجزا جو چاند مین روشن نہین ہین، وہ اس کے باقی جوہر کے مخالف ہین،

(مطلب یہ ہوا کہ چاند کے جوہر مختلف ہین، روشن حصہ ایک جوہر سے تعلق رکھتا ہے اور غیر روشن دوسرے جوہر سے؛ غیر روشن حصہ مین زمین کا عکس نہیں پڑتا، اور روشن حصہ مین پڑتا ہے جو نشان یا داغ کی صورت مین نظر آتا ہے) اس کے بعد ابوالبرکات کہتا ہے :-

"جن لوگون نے اس قول سے محض ترکیب کے خیال سے احتراز کیا ہے، وہ درست نہین اسلئے کہ مشاہدہ کی تکذیب نہین کیجا سکتی"۔

یعنی چاند کو مختلف الاجزا عناصر سے مرکب ماننے سے عام فلسفی بچنا چاہتے ہین، جسکی کوئی وجہ محض وہم و گمان کے سوا کوئی اور نہین، کیونکہ مشاہدہ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا،

(۲) اسی طرح ابوالبرکات نے کہکشان کے بارے مین ان لوگون کے قول کی تردید کی ہے، جو کہتے ہین کہ کہکشان ان نشانات کا نام ہے، جو ہماری اس فضا مین ہوا کے بالائی حصے اور کرۂ نار سے پیدا ہوتے ہین، وہ کہتا ہے کہ جو چیز حقیقت سے قریب معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کہکشان اجسام کوکبی ہین، جو چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہماری نگاہون کے حدود سے آگے ہین، اور یہ سب کے سب آسمان مین ایسے ہی ہین، جیسے چاند مین نشانات!

ابوالبرکات نے اپنے اس دعوی کی تائید مین بذریعۂ رصد، مشاہدہ کو پیش کیا ہے،

(۳) دوسرے حصہ کی ساتوین فصل مین کواکب و افلاک کی حرکت کے بارے مین کہتا ہے،

"رصد سے دیکھنے والون نے ستارون کی حرکت کو مختلف پایا، اور جب ان لوگون نے یہ سُنا کہ آسمان مین خرق والتیام (پھٹنا اور جڑنا) ممکن نہین، تو ستارون کی حرکت کو فلک کی طرف منسوب کر دیا، اور کہنے لگے، کہ افلاک کواکب کے ساتھ متحرک ہین، حالانکہ مشاہدہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ حرکت فلک کی نہیں، بلکہ کواکب کی ہے، فلک کا جوہر اور ہر طرف سے اس کا گھیر ایک جیسا ہے، اسکی گردش سے کوئی ایسی حرکت وضعی

نہیں پیدا ہوتی جس کا فرق ہم محسوس کرسکیں"

اس کے بعد حرکت افلاک کو دوسری دلیل سے بیان کیا ہے، !اسی کا نتیجہ ہے، کہ موجودہ زمانہ کے علمائے ہیئت افلاک کا سرے سے انکار کرکے خود ستارون کی ذاتی حرکت کے قائل ہوگئے،

(۴) گیارھوین فصل مین پہاڑ، دریا، وادی، نہر اور چشمون کے متعلق بحث کی ہے، ان تمام مباحث مین ابوالبرکات نے معیار تحقیق اپنے مشاہدہ اور تجربہ کو رکھا ہے، اس نے کسی کی مخالفت کی پروانہ کی، بلکہ حق کہا، اور حق یہ ہے، کہ ان مباحث مین حق اسی کے ساتھ ہے!

پہاڑون کے سلسلہ مین کہتا ہے:-

"زمین جب خشک اور ناقابل تجزیہ ہوجاتی ہے، اور اس کے گرد پانی جمع ہوتا ہے، ہوا پانی کو حرکت دیتی ہے، اس حرکت سے زمین پانی کی گہرائی مین ہلتی ہے، اور اس کے اجزا پانی سے ملتے رہتے ہین، اس حرکت و امتزاج میں جو شکل پیدا ہوتی ہے، زمین کا پانی سے قریبی حصہ اسی حالت مین باقی رہ جاتا ہے، پانی کے ساتھ مٹی کے جو اجزا آتے ہین، وہ بھی اس سے ملتے رہتے ہین، اس طرح یہ آہستہ آہستہ بڑھ جاتے ہین، اور مدت دراز کے بعد وہ پہاڑ بن جاتے ہین، چنانچہ یہ مشاہدہ ہے، کہ بعض لوگون کو جب اپنے مکانات کے لئے پتھر کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ بہتے ہوئے پانی میں کھجور کی گٹھلیون یا اسی قسم کی چیزون کو ڈال دیتے ہین، ان پر اجزاء ارضی کی تہیں چڑھتی رہتی مین یہان تک کہ یہ بڑا پتھر بن جاتی ہے!

دریا کو خشکی اور خشکی کو دریا کی صورت مین تبدیل ہونے کی کیفیت بیان کرتا ہے:-

"جب زمین اونچی ہوجاتی ہے، تو پانی قریب کے نشیبی حصہ کی طرف رُخ کرتا ہے، اور

پہاڑ پانی کے کم ہونے سے کھل جاتا ہے، دریا، صحرا، اور وادیون کا پانی زمانہ دراز گذرنے پر آفتاب کی تاثیر اور ہواؤن کے تموج سے خشک ہوتا ہے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے، اسطرح ایک زمین کھلتی ہے، اور دوسری ڈھک جاتی ہے جیسا کہ تم نجف کی زمین میں آج بھی اس چیز کو دیکھ سکتے ہو، اس کی اندرونی تہ کو کھودو تو معلوم ہوگا کہ اوس کے بننے ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا، پہاڑون کا یہی حال زمین کے ہر حصہ مین ہے"

(۵) آندھیون کی پیدایش اور اُن کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے قدماء کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہے کہ آندھی اجزائے ارضیہ اور دخانیہ کے اٹھنے اور نیچے آنے سے پیدا ہوتی ہے، پھر متاخرین کا مسلک واضح کیا، کہ ان کے نزدیک آندھی کا سبب یہ ہے، کہ ہوا کے بعض اجزا گرم اور بعض ٹھنڈے ہوجاتے ہین، گرم اجزا ہلکے ہوکر اوپر جاتے ہین، اور ٹھنڈے بھاری ہوکر زمین کی طرف جھک پڑتے ہین،

اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہے، کہ مین نے خود ایک بار سخت ہوا کو دیکھا جو ایک خیمہ کے وسط سے اٹھی، اور اسکو ایک قد آدم اٹھایا پھر وہ گرگیا،

پھر کہتا ہے، کہ اوس کے سوا مین نے ہواؤن کے اسباب کے سلسلہ میں متقدمین کا کوئی پسندیدہ قول نہیں دیکھا،

(۶) چشمون کی پیدایش کے متعلق کہتا ہے:-

"اکثر اگلے فلسفیون کا خیال ہے کہ پہاڑ مین سے چشمہ بہنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ پہاڑ کے اندر جو ہوا بند ہے، وہ ٹھنڈی ہوجاتی ہے، اور وہی پانی بن کر بہتی ہے پھر پانی ہوا، اور ہوا ٹھنڈی ہوکر پھر پانی بن جاتی ہے، !الغرض فطرت کے ہاتھ سے

یہی عمل برابر ہوتا رہتا ہے، اس نظریہ پر اعتراض یہ ہوتا ہے، کہ برف اور بارش کی کمی سے کنوین اور چشمے خشک کیون ہو جاتے ہیں، نہرون مین پانی کیون کم ہو جاتا ہے، اور جب ان مین زیادتی ہوتی ہے تو ان چیزون مین بھی زیادتی، اور ان کی کمی سے ان چیزون مین بھی کمی ہو جاتی ہے، اس کے بعد اسی سلسلہ مین مرج ہمدان مین اپنے ایک مناظرہ کا ذکر کیا ہے، اپنے جوابات تبلائے ہین، اور حق یہ ہے کہ جو کچھ اسنے کہا وہ صحیح ہے، فلسفہ جدیدہ نے اسکی تصدیق کر دی ہے، اس کا نظریہ یہ ہے، کہ بادل کا پانی جو پہاڑون پر برستا ہے، وہ اندر سے راستہ بنا لیتا ہے، یا اونچے پہاڑون پر برف بن کر گرمی سے گھل کر اپنا راستہ نشیب کی طرف نکالتا ہے،

(۷) رعد اور ستارون کی پیدایش کے متعلق اُس نے بحث کی ہے، اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو بیان کیا ہے،

کتاب المعتبر کا طبیعی حصہ چند اجزا پر منقسم ہے،

۱- پہلا حصہ ان مطالب مین ہے جن پر ارسطو نے اپنی کتاب "سماع طبیعی" میں بحث کی ہے، سماع طبعی کو آج کل مائیتم للاجسام کہتے ہین،

۲- دوسرا حصہ ان مطلب پر ہے جن کو ارسطو نے اپنی کتاب "السماء والعالم" مین بیان کیا ہے، یعنی فلکیات اور عنصریات،!

۳- تیسرا حصہ ان مطالب پر ہے، جو کتاب "الکون والفساد" مین ہین،

۴- چوتھا حصہ ان مضامین مین ہے، جن کا تعلق ارسطو کی اس کتاب سے ہے جو آثار علویہ و معادن کی تحقیق مین ہے،

۵- پانچوان حصہ نباتات اور حیوانات مین ہے، اس حصہ کو جن اور ارواح پر ختم کیا ہے،

۶- چھٹا حصہ کتب النفس [illegible] اس مین بڑی تفصیل کی ہے اور بے نظیر مضامین بیان کئے ہین

میرا خیال ہے کہ شاید یہ وہی مستقل کتاب ہے، جس کا نام بیہقی نے کتاب النفس والتفسیر تبلایا ہے! اسی پر اس کی طبیعی کتاب کا خاتمہ ہے، اور اگر بیہقی کی تبائی ہوئی کتاب کوئی مستقل کتاب ہے، تو مسئلہ نفس پر ابو البرکات کی یہ تیسری کتاب ہے!

مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ابو البرکات اس مین پہلے ارسطو اور پیروان ارسطو کے اقوال کو نقل کرتا ہے، پھر انکی تحقیق و تصحیح اور تردید کرتا ہے!

اس کے بعد کتاب کا چوتھا حصہ ہے، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے،

کتاب المعتبر کا چوتھا حصہ،

اس کتاب کو اس نے علم کی تعریف سے شروع کیا ہے، کہتا ہے:-

علم عالم کی معلوم کی طرف صفت اضافی کا نام ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ بعض متاخرین نے اسی انداز سے علم کی جو تعریف کی ہے وہ ابو البرکات ہی کا فیض ہے،

یہ حصہ دو مقالون پر منقسم ہے، ان مین علم کے موضوع "مبدء اول" اوس کے صفات، حدوث، قدم، مبدء اول سے خلق کی ابتدا اور ایجاد، عقول، نفوس کے متعلق بحث کی گئی ہے!

ان مسائل مین ابو البرکات نے صحیح مسائل کی حمایت کی ہے، ہر جماعت کے دلائل بیان کئے ہین، حدوث و قدم کی بحث کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، ابو البرکات ہی نے تسلسل اشیاء بلا اول کے قول کی ابتدا کی جس پر علامہ ابن تیمیہ نے اس کو بڑی داد دی ہے، اس کے بعد ابو البرکات نے فلاسفہ کے ان اصول کو جن پر ان کے الٰہیات کی بنیاد قائم ہے بڑی خوبی سے رد کیا ہے، کہ جو فاعل ہر حیثیت سے ایک ہوگا، اوس سے ایک ہی فعل صادر ہو سکتا ہے، قدیم محل حوادث نہیں ہو سکتا، صفات الٰہی، ذات سے الگ نہیں ہین، اسی طرح عقول عشرہ کی تحدید کو باطل کیا، اور کہا کہ عقول یہی ارواح اور ملائکہ ہین، جن کی کوئی تحدید نہین کی جا سکتی،

میرے سامنے کتاب المعتبر کے جو نسخے ہین، ان میں ایک تو وہ عکسی نسخہ ہے جس کو دائرۃ المعارف نے استنبول سے حاصل کیا ہے، یہ نسخہ دو مختلف نسخون سے مکمل کیا گیا ہے، ایک نسخہ بڑے سائز کا ہے جس کے حروف باریک اور مشکل سے پڑھے جاتے ہیں، دوسرا نسخہ چھوٹے سائز لیکن جلی خط کا ہے، کتاب کا پہلا حصہ جو منطق میں ہے، اور تیسرا حصہ جو الہیات مین ہے، یہ دونون حصے دوسرے قلمی نسخہ مین ہین، پہلا نسخہ لالہ لی کے کتب خانہ سے فوٹو سے نقل کیا گیا ہے، اس کا نمبر ۲۵۵۳ ہے، اوس پر سلطان سلیم خان کی مہر ہے، ۴۶۲ صفحات ہین، دوسرا نسخہ جو علم طبعی مین ہے، اسعد آفندی کے کتب خانہ سے منقول ہے، اس کا نمبر ۱۹۳۱ ہے، ڈھائی سو کے قریب صفحات ہین اسکے آخر مین درج ہے

"جس شخص نے یہ کتاب لکھوائی ہے، اس کے لئے اس کی نقل سے جرجانیہ خوارزم خانقاہ خاتونی میں جو کبرتی نام پل پر واقع ہے، بروز دوشنبہ ۱۷ ر شوال ۶۴۲ھ کو فراغت ہوئی، اور بلدۂ سرائے جدیدہ میں مجھے اس کے مقابلہ کا موقع ملا، اور اوس سے یک شنبہ ۱۲ ر جمادی الاول ۶۴۴ھ کو فراغت ہوئی، اسی دن ہم سرائے جدیدہ سے یک شنبہ کی صبح کو قرم کی طرف اردوی اعظم کے لئے روانہ ہوئے"

جز اول کے شروع میں آخر صفحہ پر یہ عبارت درج ہے :-

جس نے اس کتاب کو لکھوایا ہے اس کیلئے اوس سے سہ شنبہ کی دوپہر ۸ ر ذی الحجہ ۶۴۲ھ جرجانیہ خوارزم خانقاہ خاتونی مین جو کبرتی نام پل پر واقع ہے، فراغت ہوئی، اور اس کتاب کی اصل سے مقابلہ کرنے سے دوشنبہ ۹ ر ذی الحجہ ۶۴۳ھ کو سرائجق مین فراغت ہوئی"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اگلے علماء کو طلب علم کا کتنا شوق تھا، کہ وہ سفر و حضر کسی حالت مین بھی اوس سے غافل نہیں رہتے تھے!

کتاب کا ایک دوسرا قلمی نسخہ بھی ہے جس کو خزانۂ آصفیہ نے استنبول سے حاصل کیا ہے،

زندیق کی حقیقت

از

مولوی محمد ادیس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

پروفیسر براؤن نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ ادبیات ایران" ص ۱۵۹ مین لفظ زندیق کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"زندیق ایک فارسی اسم صفت ہے، جس کے معنی ہین وہ لوگ جو زند کی پیروی کرتے ہین"۔ مذہب مانی کے ماننے والے بھی زندیق کہلاتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی، کہ وہ دوسرے مذاہب کی کتابون کی تفسیر اپنے ہی خیالات کی روشنی مین کرتے تھے، یہ طریقہ غناسطیون اور پچھلے اسماعیلیون کی تاویل سے ملتا جلتا تھا، لیکن پروفیسر بیوان (Bevan) کی تعریف بہت قرین قیاس ہے، جیسا کہ فہرست ابن ندیم اور البیرونی سے معلوم ہوتا ہے کہ "سماع" (سننے والا) کا لفظ معمولی درجہ کے مانویون کے لئے استعمال ہوتا تھا، کیونکہ وہ اپنے اوپر غربت، تجرد، نفس کشی ایسے مذہبی فرائض کی پابندی عائد نہین کرتے تھے، اور وہ بزرگ اور درویش جنھون نے اپنے لئے غربت کو دولت پر ترجیح دی ہو، ہوس خواہش نفسانی سے اجتناب اور اس پر سختی سے قائم رہنا، فاقہ کرتے رہنا اور صدقات کرنا اپنا شعار بنا لیا ہو "صدیق" کہلاتے تھے، (دفادار، جمع صدیقون) یہ ایک عربی لفظ ہے لیکن غالباً اصلی آرٹیک حالت مین "صدیقائے" تھا، جو فارسی مین "زندیک" ہو گیا، دکون و کر

بدل دیا، جیسے فارسی مین سبتھ (Sabbeth) شنبذہ (Shambadh)
موجودہ شنبہ ہوگیا، اور سنسکرت مین "سدھانت" سے "سندھنہ" ہوگیا، اس خیال کے مطابق "زندیک"
عربی مین زندیق ہوگیا، جو عارف مانویون کے آرمینک نام کی فارسی صورت ہے، یہ پہلے صرف اسی
طبقہ کے لئے مخصوص تھا، لیکن بعد مین عام کافرون کے لئے استعمال ہونے لگا۔!

براؤن نے اسی آخری رائے کو ترجیح دی ہے، لیکن یہ تحقیق علمائے اسلام کی تحقیق کے
مقابلہ مین حقیقت سے بہت دور معلوم ہوتی ہے، بے شبہہ بیرونی کی آثار الباقیہ اور فہرست ابن
ندیم مین مانویون کے ذکر مین "سماع" اور "صدیق" دو جماعتوں کے نام آتے ہین، لیکن اس سے یہ لازم
نہیں آتا، کہ زندیق کی اصل صدیق ہے۔!

آثار الباقیہ ص ۲۰۷ مین ہے،

وشرع نوامیس یفترضها الصدیقون	اور کچھ قوانین بنائے جن کو صدیقوں
وهم ابرار المانویة وزهادهم	یعنی مانویون کے درویشوں نے اپنے اوپر
علی انفسهم من ایثار المسکنة	لازم کرلیا، مثلاً مسکنت کی ترجیح، حرص
وقمع الحرص والشهوة ورفض	اور شہوت کا ترک، دنیا مین زہد، پے
الدنیا والزهد فیها ومواصلة	درپے روزے، جتنا ممکن ہو صدقہ کرنا،
الصوم والتصدیق بما امکن	ایک دن کی غذا سے زائد، اور ایک سال
وتحریم اقتناء شیء خلا قوت یوم	کے کپڑے سے زائد جمع نہ کرنا دنیا مین
واحد ولباس سنة وترک	برابر تبلیغ کے لئے گشت کرنا کچھ اور قوانین
السفاد وادامة التطواف فی	سماعین کے لئے بنائے، سماعین ان کے
الدنیا للدعوة والارشاد	پیرو اور دنیا کے سامان سے مختلط تھے،

ورسوماً اخر یفرضها علی السماعین اعنی اتباعهم المکتسبین لهم من المشتغلین باسباب الدنیاویة

اسی طرح ابن ندیم نے الفہرست مین مانویہ کے ذکر مین کئی موقعوں پر "صدیق" کا لفظ اور
ایک موقع پر "سماع" کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن کہیں اس کا اشارہ بھی نہیں ہو کہ یہ لفظ فارسی
مین جاکر زندیق ہوگیا ہے۔!

زندیق کا لفظ بے دین اور لامذہب لوگون کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر اسکی اصل صدیق
ہوتی، اور اس سے مراد فرقہ مانویہ کے "صدیقین" ہوتے، تو اوس کا محلِ استعمال ضرور بہتر ہوتا،
لفظ "صدیق" کا احترام بیان تک کیا گیا کہ جوہری نے "صدیق" کا وزن تبلاتے
ہوئے مثال مین "فسیق" کو پیش کردیا، اس پر صاحب لسان برہم ہوتا ہے، اور کہتا ہے؛

لقد اساء التمثیل فی هذا	اس جگہ بُری مثال دی،
المکان، (تاج العروس جلد ۶ ص ۳)	

علمائے لغت کا فیصلہ ہو کہ زندیق عربی لفظ نہیں ہے، بلکہ فارسی اور معرب ہو،

لسان العرب جلد ۱۲ ص ۱۳ مین ہے،

زندیق، القائل ببقاء الدهر	زندیق بقائے دہر کے قائل کو کہتے ہین،
فارسی معرب وهو بالفارسیة	فارسی معرب ہے، فارسی مین اس کی
زند کر، ای یقول بدوام	اصل زندکر، یعنی قائل دوام بقائے
بقاء الدهر،	دہر ہے،

تاج العروس جلد ۶ ص ۳۷۳ مین ہے،

الصواب ان الزندیق نسبته الی	درست یہ ہے کہ زندیق کی نسبت مانی
الزند وهو کتاب مانی المجوسی	مجوسی کی کتاب زند کی طرف ہو،

خوارزمی کی مفاتیح العلوم ص ۳۷ مین ہو:-

الزنادقة، هم المانوية وكان
المزدكية يسمون بذلك
(مزدك) هو الذي ظهر في ايامِ
قباد وزعم ان الاموال والحرم
مشتركة واظهر كتاباً سماه زندا
وهو كتاب المجوسي الذي جاء به
زرداشت الذي يزعمونه انه
نبي فنسب اصحاب مزدك الى
زند واعرب الكلمة فقيل زنديق

زنادقہ مانویہ ہین، یہی نام مزدکیون کا
تھا، مزدک وہی ہے، جو قباد کے زم
ین ظاہر ہوا، اس کا خیال تھا کہ مال
اور عورت مشترک ہین، اس نے زند
نامی ایک کتاب کو ظاہر کیا، یہ زردشت
(جس کو یہ لوگ اپنا پیغمبر مانتے ہین) کی
کتاب ہے، اس لئے اصحاب مزدک زند
کی طرف منسوب ہوئے عربی میں یہ لفظ
زندیق ہوگیا،

غیاث اللغات ص ۲۱۰ میں ہے،

صحیح آنست کہ معرب زندہ است یعنی
آنکہ اعتقاد زند کتاب زرتشت دارد، کہ
قائل یزدان و اہرمن بود بموافق قاعدۂ
تعریب قاف در آخر زیادہ کردہ اند،
چون وزن فعلیل بالفتح در کلام عرب
ندیدہ لہذا حرف اول راکہ زاے معجمہ
است کسرہ دادہ اند، در رسالہ معربات
در خیابان نوشتہ کہ زندیق بالکسر معرب
بزندیک است و آن مرکب از زند،
بالفتح کہ نام زرتشت است و یائے نسبت و
کاف تصغیر برائے تحقیر و کسر اول بجہت تعریب

صحیح یہ ہے کہ یہ زند کا معرب ہے، یعنی
"وہ جو زرتشت کی کتاب زند کا معتقد
ہے،" (زرتشت جو کہ یزدان اور اہرمن
کا قائل ہے) قاعدۂ تعریب کے موافق
ق کو آخر مین زائد کر دیا، فعلیل (بالفتح)
کا وزن عرب میں نہ تھا، اس لئے حرف
اول ز کو کسرہ دیدیا، معربات اور خیابان
مین ہے، کہ زندیق بالکسر زندیک کا
معرب ہے، اور یہ زند اور ہائے نسبت
سے مرکب ہے، کاف تصغیر تحقیر کیلئے ہے،
پہلے حرف کسرہ بموجب قاعدہ تعریب ہے،

ان تصریحات سے یہ چیز تو واضح ہوگئی، کہ زندیق کی اصل فارسی ہے، اجو کچھ اختلاف ہے وہ اس مین کہ فارسی مین اسکی اصل کیا ہے، ؟ ایک جماعت کہتی ہے، کہ اس کی اصل "زندہ" ہے، ان کے نزدیک یہ لوگ دوام بقاء و دہر کے قائل تھے، اس لئے "زندہ" سے زندیق کہلائے، دوسری جماعت کے نزدیک یہ لوگ "زند" نامی ایک کتاب کے پیرو تھے، اسلئے زندی اور زندیق کہلائے، زند زرتشت کی کتاب تھی یا مانی کی یا مزدک کی، ؟ یا کسی زبان کا نام ہے ؟ ہم اس تفصیل مین نہیں پڑنا چاہتے، اس لئے کہ یہ مسئلہ ہماری موجودہ بحث سے خارج ہے، البتہ "زندیق" کے محلِ استعمال پر غور کرنیکے بعد ہم اس نتیجہ پر ضرور پہونچتے ہین، کہ اس کی اصل یہی زند (بمعنی کتاب) ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ "زندیق" (بمعنی عقیدہ بقائے دوام دہر) کا استعمال اُن مواقع پر بھی کیا جائے، جہان بقائے دوام دہر کے عقیدہ کا کوئی سوال نہیں ہے،

مشہور مورخ مسعودی نے اس لفظ پر جو فاضلانہ کلام کیا ہے، اس سے اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے، وہ کہتا ہے :-

"مانی کے زمانہ مین زنادقہ کا نام ظاہر ہوا، اور اسی کی طرف زندقہ منسوب ہوا، اسکی حقیقت یہ ہے، کہ زرتشت جب اہلِ فارس کے پاس اپنی کتاب بستاہ لایا، جو فارسی کی قدیم زبان مین تھی، اور اسکی ایک تفسیر لکھی اس کا نام زند ہے، پھر تفسیر کی تفسیر لکھی اس کا نام پازند ہے، زند پہلی نازل شدہ کتاب کی تاویل کی شرح تھی، مانی نے اس شریعت میں ایسی چیزین ملائین جو اس مین نہ تھین، بلکہ بستاہ کے خلاف تھین، اوس کا رجحان زند کی طرف تھا، اسی وقت سے لوگ کہنے لگے کہ یہ زندی ہے، یہ لقب

اسلئے تھا کہ وہ اصل کتاب کے ظاہری الفاظ سے انحراف کرتے ہوئے اس تاویل کی طرف
راغب تھا، جو اصل کے خلاف بھی، جب اہل عرب نے اس لفظ کو لیا، تو وہ زندیق کہنے لگے!

(مروج الذہب جلد ۲ ص ۱۶۷)

مسعودی کے اس بیان سے اصل راز کھلا کہ مانی کا اصل کام تحریف اور غلط تاویل تھا، ابتدا
مین لفظ زندیق فرقہ مانویہ کے ساتھ مخصوص رہا، جو لوگ مانویت قبول کرتے ان کو زندقہ کا اعزاز بھی
ملتا چنانچہ قریش کے بعض لوگون مین حیرہ والون سے زندقہ آیا، حیرہ والون سے زندقہ حاصل کرنے
کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھون نے مانویت کی دعوت قبول کی، زمانۂ اسلام مین امویون کے دور
حکومت میں اس لفظ کا استعمال کم ہوا، اس لئے کہ ان کے دور مین زیادہ تر علوم دینیہ کا چرچا تھا، کتاب
وسنت سے شغف تھا، تحریف وتاویل کی گنجایش نہ تھی، البتہ عباسیوں کے عہد مین جب کہ فلسفہ
نے زور پکڑا، اس وقت زندقہ بھی عام ہوا، دوسرے مذاہب کے خیالات کو اسلام کی اصطلاحات
اور قرآن وحدیث کے الفاظ مین چھپانے کی کوشش کی جانے لگی، اب "زندیق" کا لفظ فرقہ مانویہ کے ساتھ
مخصوص نہیں رہا، بلکہ ہر اس شخص اور جماعت کیلئے استعمال ہوا جن کا کام تحریف اور غلط تاویل تھا، جو دین
کے الفاظ کی تشریح اپنے عقائد کی روشنی مین کرتے!

اس لفظ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے بعد اب علمائے اسلام کے اقوال پر غور کیجئے، کہ
وہ اپنی اصطلاح مین زندیق کی جو تعریف کرتے ہین، وہ زندیق کی اس حقیقت سے کسقدر
مناسب ہے!

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۱۲ ص ۳۳۹ مین فرماتے ہین:

"اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا، جو کفر کو چھپائے، اور اسلام کو ظاہر کرے"

۵؎ بلوغ الارب جلد ۲ ص ۲۰۵،

یہان تک کہ مالکؒ نے کہا کہ زندقہ وہی ہے جس پر منافقین تھے!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسوّی جلد ۲ ص ۱۳۰ میں فرماتے ہین:

"دین حق کا مخالف اگر ظاہر و باطن دونوں مین مخالف ہے، تو وہ کافر ہے، اگر زبان سے
معترف ہے، اور قلب سے منکر ہے، تو وہ منافق ہے، اگر ظاہر مین تو معترف ہے لیکن دین
کی بعض باتون کی تفسیر صحابہ تابعین اور اجماع امت کے خلاف کرتا ہے تو وہ زندیق ہے،
جیسے کہے کہ قرآن حق ہے اور اس مین جنت و دوزخ کا جو ذکر ہے، وہ بھی حق ہو لیکن
جنت سے مطلب وہ مسرت ہے، جو خصال حمیدہ سے حاصل ہوتی ہے، اور دوزخ
سے مراد وہ ندامت ہو جو صفات مذمومہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور خارج
مین جنت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے، ایسا آدمی زندیق ہے!

اسی سے ملتی ہوئی تعریف علامہ ابن عابدین نے ردّ المختار جلد ۳ ص ۵۰۴ میں کی ہے، شرح
مقاصد میں بھی یہی کہا گیا ہے!

غور کیجئے کہ محدثین، متکلمین، اور فقہا "زندیق" کا اطلاق انہی لوگون پر کرتے ہین، جو اسلام
کی تحریف اور اسکی غلط تاویل کے مجرم ہین، مانویون کا بھی اصلی جرم یہی تھا، کہ وہ زرتشتی دین مین
غلط تاویلین کرتے تھے! درحقیقت علمائے اسلام کی یہ تعریف زندیق کے ماخذ سے بہت مناسبت
رکھتی ہے، اس کے برخلاف زندیق کی اصل صدیق بتانا ایک بے دلیل بات ہے!

صدیق کا ماخذ "صدق" ہے جس کے معنی انتہائی سچ بولنے والے کے ہین، یہ لفظ اپنے معنی کے
اعتبار سے ہمیشہ اچھے موقع پر مستعمل ہوتا ہے، اس کے برعکس زندیق کا استعمال اہل کذب وافترا
کیلئے ہے، اسلئے زندیق اور صدیق مین مناسبت کے بجائے تضاد ہے،

تلخیص وتبصرہ

یہودیوں پر عرب مصنفین موسیقی کا احسان

عمانوئیل بن سلیمان (Immanuel ben Solomon، متوفی ۷۳۱ھ مطابق ۱۳۳۰ء) نے اپنی کتاب محابرات (Mehabberot) مین لکھا ہے، کہ عیسائیوں نے یہودیوں کے گھر سے علم موسیقی چرایا ہے، لیکن اس دعوی کا کہ یہودیون کے گھر سے فن موسیقی عیسائیون کے یہان کیسے پہنچا کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگون نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ عیسائی گرجون کی ابتدائی موسیقی کی اصل یہودی ہے، اور نیوم (Neume.) اصل مین عبرانی لفظ نیماہ (ne-imah.) سے نکلا ہے، مگر یہ سب دعوی باطل ہین، یہ یقینی ہے، کہ عیسائی علم موسیقی میں قرون وسطی کے یہودیون کے ممنون احسان نہیں ہین، اگر یہودی قصہ گوؤن کی داستان پر نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، کہ انھیں اپنے سرپرستون کی خوشنودی منظور تھی، حقیقت اور سچائی کی تلاش نہیں تھی،

یہ واقعہ ہے کہ چار علمی (quadrivium or mathesis) میں جو کچھ سرمایہ موجود ہے، وہ قرون وسطی کے اوائل مین عرب مصنفین اور اوس کے اواخر مین عیسائیوں کے خزانوں سے حاصل ہوا ہے، اگرچہ اسحاق اسرائیلی (Isshac Israeli، متوفی ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۲ء) کے زمانہ ہی سے موسیقی کے اصول اور فن موسیقی نصاب تعلیم مین باضابطہ داخل ہوچکا تھا،

لیکن اس عہد مین بھی کوئی ایسا مصنف پیدا نہ ہوا، جو اس موضوع پر کوئی طبعزاد تصنیف چھوڑ جاتا جب ہم Moritz کی jüdische Literatur des Mittelalters جیسی بلند پایہ کتاب کی طرف رجوع کرتے ہین، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان میں یہودیون نے کیا کیا ہے، اور جو کچھ بھی یہودیون کے نام سے منسوب ہے، وہ کس حد تک بلاواسطہ یا بالواسطہ عربی سے ماخوذ ہے،

پہلا یہودی مصنف جس کو مسلّم الثبوت کہا جاسکتا ہے، وہ سعدیہ گون (Sa'adya Gaon متوفی ۳۳۱ھ مطابق ۹۴۲ء) ہے، اس کی کتاب الامانات (Kitab-al-amanat,) کے دسویں باب مین انسانی روح پر موسیقی کے اثرات سے بحث کی گئی ہے، اس سلسلہ مین حواس خمسہ میں سے باصرہ، اور سامعہ اور شامہ پر بحث ہے، اور لامسہ اور ذائقہ کو نظر انداز کرکے اوس نے عرب فلسفی یعقوب بن اسحاق کندی (متوفی ۲۵۸ھ مطابق ۸۷۱ء) کی پیروی کی ہے، اور اسی سے اس کے ماخذ کا پتہ چل جاتا ہے،

سعدیہ نے اپنی بحث کا آغاز باصرہ سے کیا ہے، اور اس طرح استدلال کیا ہے، کہ صرف ایک رنگ روح پر کوئی فائدہ بخش اثر نہین پیدا کرتا، لیکن مختلف رنگون کا امتزاج نہ صرف آنکھون کو اچھا معلوم ہوتا ہے، بلکہ روح کو بھی مسرور کر دیتا ہے، اس کے بعد سامعہ کے متعلق بھی اسی قسم کے نتائج پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا خیال ہے کہ ایک ہی سُر ایک ہی زیر وبم مین یا ایک ماترے کی تال کانون کو گران گذرتی ہے، برخلاف اس کے مختلف زیر وبم مین مختلف سرون کا میل یا مختلف ماترون مین مختلف تالین روح پر ایک کیفیت طاری کر دیتی ہین، اس کے بعد وہ آٹھ تالون اور ان کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے، (کتاب الامانات صفحہ ۷، ۳۱) اور یہ سب کے سب کندی کے رسالہ فی اجزاء خبریات الموسیقی[1] میں ملتے ہین جس کا نسخہ برلن مین موجود ہے،

---

[1] معارف: غالباً اس سے مراد رسالہ فی الاخبار عن صناعۃ الموسیقی ہے، ابن ندیم ص ۳۵۹، مصر،

موسیقی کا دوسرا یہودی مصنف ابراہیم بن حیا (Abraham ban Hiyya ،
متوفی ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۶ء) ہے، اسکی کتاب Yesode ha TEBUNEHO
کے متعلق خیال ہے، کہ اس مین علم الحساب، اقلیدس، بصریات، نجوم اور موسیقی پر بحث ہے، اس
کے کچھ متفرق اجزا باقی رہ گئے ہین، اوس کا ایک حصہ Hibburha-meskikah.
اقلیدس سے متعلق ہے، اس کے آخری حصے عربی اقلیدس کے منت کش معلوم ہوتے ہین، اور غالباً
موسیقی کا باب بھی ایسا ہی ہوگا، ویٹیکن (Vatican.) مین ایک مسودہ علم موسیقی پر ہے،
اوس کو بھی مصنف مذکور سے منسوب کیا جاتا ہے، لیکن اس کی پوری تحقیق نہیں کی گئی ہے، یہ بھی
عربی سے ترجمہ سمجھا جاتا ہے، وہ اپنی کتاب مجلۃ المجلات مین علم موسیقی کے باب میں سعدیہ سے
اقتباس کرتا ہے،

یوسف بن اقنین (Joseph ibn Aqnin. ، متوفی ۶۲۵ھ مطابق ۱۲۲۶ء
کی تصانیف میں عربی ماخذ نمایان ہین، اس کی طب النفوس مین علم حساب، اقلیدس، موسیقی اور سکونیات
سے بحث ہے، اس میں جن عربی کتابون کے مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے، وہ یہ ہین،

کتاب الارثماطیقی، کتاب فی الاصول، کتاب الاکر، کتاب فی الاشکال الکریہ، کتاب فی الکرہ
والاسطوانہ کتاب المخروطات، کتاب فی الاعداد المتحابہ ثابت بن قرہ ، استکمال یوسف المؤتمن، تحریر
المناظر ابن ہیثم جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ Optica of Pseudo Euclid
پر قابل ترجیح ہے، مجسطی بطلیموس اور کتاب الحیل بنی موسیٰ بن شاکر اور علم موسیقی کے لئے وہ ابو نصر فارابی
کی کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہے، غالباً اس سے مقصد کتاب الموسیقی الکبیر ہے جو چوتھی صدی ہجری
تک کے علم موسیقی کی سب سے بڑی تصنیف سمجھی جاتی تھی،

موسیقی کے باب مین ابن اقنین نے اپنے موضوع کو دو حصوں مین تقسیم کیا ہے، اس کا پہلا حصہ

فارابی کی احصاء العلوم سے لفظاً بہ لفظ نقل کیا گیا ہے، گو مصنف نے متعین طور پر اس کو تسلیم نہیں کیا
ہے، دوسرے حصہ مین علم موسیقی پر تبصرہ ہے، جس مین عہد عتیق کی انجیل اور تالمود کے اقتباسات
بھی ہین،

ابن اقنین نے اپنی کتاب مین وضاحت سے یہ دکھایا ہے، کہ یہودی علوم اصول اور فن
موسیقی مین عربی لٹریچر کے اسی طرح خوشہ چین تھے، جیسے دوسرے فنون مین،

مورخ اسٹینشنائیڈر (Steinschneide) نے لکھا ہے کہ فن موسیقی اور اس کے اسلوب کی اصل
بھی تمام دوسرے علوم کی طرح عربی ہی اسکول ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ یہودیون کو یونانی مصنفین
مثلاً ارسطو، ارسطوقینوس، اقلیدس اور نیقوماخس (Nicomachus ،) بطلیموس
(Ptolemy) اور Aristides Quintilianus
کی تصانیف سے جو کچھ بھی واقفیت ہوئی، وہ عربی تراجم کے ذریعہ ہوئی کیونکہ عربی زبان ان سب سے
تیسری صدی ہجری ہی مین روشناس ہو چکی تھی، عرب علماء مثلاً کندی (متوفی ۲۵۸ھ مطابق
۸۷۲ء) سرخسی (متوفی ۲۸۶ھ مطابق ۸۹۹ء) ثابت بن قرہ (متوفی ۲۸۹ھ مطابق
۹۰۱ء) فارابی (متوفی ۳۳۹ھ مطابق ۹۵۰ء) ابو الوفا بوزجانی (متوفی ۳۸۸ھ مطابق ۹۹۸ء)
ابوالصلت امیہ (متوفی ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۳۴ء) ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۷ء)
ابن ہیثم (متوفی ۴۳۰ھ مطابق ۱۰۳۸ء) ابن باجہ (متوفی ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۸ء) ابن رشد
(متوفی ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء) کی تصانیف نے نہ صرف یہودیون بلکہ سارے عیسائی یورپ پر گہرا
اثر چھوڑا ہے،

یہ امر قابل غور ہے کہ موسیقی کی یونانی تصانیف عربون کی دسترس سے باہر نہ تھین انھون
نے ان کو عربی کا جامہ پہنایا، لیکن عبرانی اور لاطینی زبان مین یہ بالکل معدوم تھین، یہ صحیح ہے، کہ

(Jehudaha-al-Harizi) نے تقریباً ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۳ء کے لگ بھگ
اپنی کتاب Sefer musre ha-Philosophim لکھی، لیکن اس مین فن موسیقی
پر کوئی بحث نہین ہے، بلکہ یونانی فلسفیون کی موسیقی پر رائیں ہین، اس کو اوس نے حنین بن اسحاق
کی عربی کتاب آداب الفلسفہ سے ترجمہ کیا تھا، جس کا ماخذ یونانی ہے،

یہودی مغربی یورپ میں موسیقی سے ویسی ہی دلچسپی لیتے تھے، جیسے مشرق مین یہود ابن عکوال
ابن عباس (ساتوین صدی ہجری) کی کتاب (Yair netil) مین علم حساب اقلیدس
نجوم، بصریات کے ساتھ علم موسیقی کو بھی جگہ دی گئی ہے،

اگرچہ دوسرے علوم کی نصابی کتابون کے لئے ابن ہیثم فرغانی (احمد بن کثیر) ابو عبداللہ
الخوارزمی، ابراہیم بن حیا (Abraham bar Hiya -) ابراہیم بن عزرا کا
نام لیا گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے علم موسیقی کے رہنما کا ذکر نہین ہے، اگرچہ ابن قینن کی طب النفوس کا
اقتباس دوسری جگہ موجود ہے،

دوسرا اسپینی یہودی شیم طاب بن یوسف فلقرہ Shem tob ben joseph
(Falaqura- متوفی ۶۸۵ھ مطابق ۱۳۰۰ء) مصنف Iggeretha-
Reshit-hokmah- اور Wikkuah نے علوم کی ترتیب یون
لکھی ہے، علم حساب، اقلیدس، بصریات، موسیقی، نجوم، لیکن اطالوی یہودی کی ترتیب اس طرح
ہے، علم حساب، اقلیدس، موسیقی، بصریات اور نجوم اور یہی صحیح ترتیب معلوم ہوتی ہے، ان
تمام امور کے باوجود صرف ایک یہودی مصنف کی مثال ملتی ہے، جس نے فن موسیقی پر کچھ لکھا
تھا، لیوی بن گرشن (Levi ben Gershon متوفی ۷۴۵ھ مطابق ۱۳۴۴ء) ہے،
یہ قرون وسطیٰ کا مشہور شخص تھا، پیرس کے Bibliotheque Nationale مین

مین ایک نسخہ ہے، جس مین اس کے قلم کے بھی کچھ نمونے ہین، اس کو اوس نے موسیقی کے عالم فلپ آف
وٹری (Philip of Vitry) کی فرمایش پر لکھا تھا، مضمون نگار کی نظر سے وہ نسخہ نہین
گذرا ہے، اوسکو Coussemaker نے اپنی کتاب Scriptores
de musica medii aevi (۱۸۶۴ء-۷۶ء) میں شامل نہیں کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے
کہ اسکی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی،

اگرچہ یہودیون کا دامن موسیقی کی طبعزاد تصانیف سے خالی ہے، لیکن انھون نے عربی سے
بہت ترجمے کئے، اور عیسائیون کو بھی لاطینی کے لئے اسی خزانہ کا پتہ بتایا، اور انھیں ترجمہ مین مدد دی،
۶۸۳ھ مطابق ۱۲۸۴ء میں ایک اسپینی یہودی سرحیا بن اسحاق (Sorahayah ben- Isaac)
کی کتاب النفس (De anima of Aristotle) کا ترجمہ عبرانی مین
کیا، اس کتاب کی دلچسپی کا سبب اس کا فلسفہ تھا، نہ کہ ارسطو کا طبعی اصول صوت، اس کا
خلاصہ یہودیون کے یہان عبرانی زبان مین پہلے ہی سے موجود تھا، کیونکہ موسیٰ بن طبن (۶۳۸-۸۲ھ
مطابق ۱۲۴۰-۸۳ء) نے ارسطو کی کتاب "De anima" پر ابن رشد کی مشہور شرح کا
ترجمہ "Sefer ha-nefesh" (۶۴۱-۲ھ مطابق ۱۲۴۴ء) اور اوس کے درمیانی
حصہ کی شرح کا Biur Sefer ha-nefesh کے نام سے (۶۶۰-۱ھ
مطابق ۱۲۶۱ء مین کیا تھا، اگرچہ شیم طاب بن اسحاق نے اس کا آخری حصہ پہلے ہی
یعنی ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء مین شائع کر دیا تھا،

یونانیون کی صرف ایک کتاب "Sectio Canonis of Euclid"
کا یہودیوں کو علم تھا، جو عربی مین پہلے ہی عام ہو چکی تھی، اور اس کی شرحین کندی اور ابن ہیثم وغیرہ
جیسے اہل علم لکھ چکے تھے،

عربی کے کون کون سے علماء عبرانی مین روشناس ہوئے، ان کی کوئی شہادت موجود نہین ۱۳-۱۲ء
مطابق ۱۳۱۴ء مین ". Halonymus ben Meir of Arles
نے فارابی کی احصار العلوم کا عبرانی مین ترجمہ کیا تھا، جس کا نام اس نے " Maamar
"رکھا تھا، ابن اقنین نے اپنی کتاب طب النفوس bemisper rha hokmot
مین موسیقی کا باب اسی سے لیا ہے، Todros Todrosio of Arles نے ابن سینا کی کتاب النجاۃ
کا کچھ حصہ آٹھوین صدی ہجری کے اوائل مین عبرانی زبان مین منتقل کر لیا تھا، اوس کے طبیعی اور
مابعد الطبیعی حصے مترجم کے نام سے ابتک موجود ہین، اور بہت ممکن ہے، کہ برلن مین جو نسخہ
موجود ہے، اس مین بھی موسیقی کا باب ابن سینا کی تصانیف کا سرقہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے،
کہ ابو الصلت امیہ کا رسالہ موسیقی بھی یہودی کے علم مین رہا ہو کیونکہ Profiat Duran
نے اپنی کتاب Maasehefod مین جو ۸۰۶ھ مطابق ۱۴۰۳ء مین
لکھی گئی ہے، اس کے اقتباسات دیے ہین، اور غالباً جیسا کہ Steinschneider
کہتا ہے کہ اسکی اصل کے متعلق گمان ہے، کہ وہ رومی کلیسا مین ہے،

۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء مین پروفیسر ریچرڈ گوتھیل (Richard -
Gotheil) نے جیوش کوارٹرلی ریویو (jewish quarterly -
Review) مین موسیقی کی ایک کتاب کے کچھ اوراق پیش کئے ہین، پروفیسر موصوف کو اعتراف
ہے، کہ اگرچہ اس کتاب کا رسم الخط عبرانی ہے، لیکن زبان خالص عربی ہے، جس مین یہودی
اثنا نام کو بھی نہین ہے، اس کتاب پر کاتب کا نام سعید بن داؤد الیمنی، اور تاریخ ۱۴۷۲ یونانی
عہد مطابق ۵۶۰ھ درج ہے لیکن مصنف کے نام کا پتہ نہین ہے، سعید وہی بدنام شخص ہے،
جس نے غزالی کی مقاصد الفلاسفہ کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے زکوٰۃ النفوس نام رکھکر اپنے نام سے شائع کر دیا،

تھا، تمام علوم کا خلاصہ جس کو ابن الاکفانی نے الدر النظیم کے نام سے مرتب کیا تھا، کتاب زیر بحث
بھی اسی کی ریزہ چین ہے،

یہ عجیب بات ہے کہ دنیا کے تمام سرقہ کرنیوالون کا راز خود انکے زمانہ مین نہین کھلتا، Jehuda -
ha-levi (متوفی ۵۳۵ھ مطابق ۱۱۴۰ء) نے اپنی کتاب Khazari کی تمہید
مین روح کے تمام فلسفیوں کے جو خیالات لکھے ہین، وہ مدتون ایک راز رہا لیکن سات سو برس کے بعد معلوم
ہوا کہ وہ ابن سینا کے رسالہ فی النفس کا سرقہ ہین،

"اسلامک کلچر" - (ا - ع)

دار المصنفین کی نئی کتاب

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طہٰ حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے
ابن خلدون اور اس کے فلسفۂ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا، جس کا ترجمہ
انہی کے ایما سے محمد عبد اللہ المنان نے عربی مین کیا، اب اس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولینا
عبد السلام صاحب ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، یہ کتاب درحقیقت ہماری زبان
مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور بالکل پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریہ اجتماعی
اس وسعت کے پاس پیش کیا گیا ہے، حجم ۲۵۹ صفحے، قیمت عہ،

مینجر

اخبار علمیہ

تاریخ کا قدیم نسخہ

آسام کے ایک غیر معروف رسالہ "مسنجر آف سلہٹ" نے تاریخ کی ایک گم شدہ کڑی کا پتہ دیا ہے، اسکی اطلاع ہے کہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے ۳۵۰ سال کی ایک پرانی فارسی قلمی تاریخ کی نقل شائع کی ہے، جس سے سولھوین صدی کے بادشاہ فیروز شاہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات ملتے ہین اور اسکی تاریخ آئینہ ہو جاتی ہے، اس کی روشنی مین مورخین کو از سر نو اس بادشاہ کی تاریخ مرتب کرنی پڑیگی،

اس کتاب کا نام تاریخ شاہی ہے، اس مین ۲۴۱ صفحے ہین، بنگال کے والی داؤد شاہ (۱۵۷۲ء سنہ ۱۵۷۶ء) کی سرپرستی مین احمد یگر نے یہ کتاب لکھی تھی، اس کے دو اور نسخے ہندوستان مین موجود ہین، جو تاریخ سلاطین افغانی کے نام سے مشہور ہین، برٹش میوزیم کے پاس اس نسخہ کے صرف سولہ صفحے ہین،

اس کتاب سے افغان خاندان اور تین مغل بادشاہون کے سلسلہ مین فیروز شاہ (۱۵۵۲ء) کی حکومت پر کافی روشنی پڑتی ہے، مغل مورخین جن پر موجودہ تاریخ کی بنیاد ہے، فیروز شاہ کی حکومت کی زندگی صرف تین دن بتاتے ہین، لیکن اس نسخہ سے دو مہینے معلوم ہوتی ہے، ڈاکٹر حسین جنھون نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی نسخون کو مرتب کیا ہے، ان کا خیال ہے

کہ اس نسخہ سے افغان بادشاہون کے وہ حالات جو اب تک پردۂ خفا مین تھے، آشکارا ہو جائینگے مثلاً اس مین شیر شاہ کی کالنجر پر چڑھائی کی وجہ تفصیل سے بیان کی گئی ہے،

غیر فطری تاریخ

غیر فطری تاریخ کے سلسلہ مین بعض دلچسپ باتین دریافت ہوئی ہین ایک گوپ کی چڑیا گلگو کی طرح فلوریڈا (امریکہ) کے کچھوے بھی اپنے انڈے دوسرے جانورون کی بل کے پاس چھوڑ دیتے ہین، یہ زیادہ تر گرمچھ کی ماند ہین،

(۲) رات کے شاہین اپنے گھونسلے کہین نہیں بناتے، ان کے گھونسلے نہ ویران پہاڑون اور ٹیلون پر ہوتے ہین، اور نہ آباد شہرون کے مکانون کی چھتون مین، مادہ اپنے انڈے کھلے میدانون مین چھوڑ دیتی ہے، اس کے باوجود انڈے نگاہون سے چھپے رہتے ہین، کہ کسی کو نظر نہیں آتے اور برباد ہونے سے بچ جاتے ہین،

(۳) موسلا دھار بارش کے لئے انگریزی مین "بلی اور کتے برسنے" کی کہاوت کہی جاتی ہے، یہ تو خیر مبالغہ ہے، لیکن غیر فطری تاریخ کے ماہرون کی تحقیق ہے، کہ زور کی بارش مین کبھی کبھی قمعی مینڈک اور مچھلیان برستی ہین،

(۴) گیاہستانی علاقون سے یہ معلوم ہوا ہے، کہ وہان سمندر (ایک قسم کا کیڑا) بھی برسے ہین،

(۵) جہازرانون کا بیان ہے کہ جب سنگ ماہی کو برچھیون سے مارتے ہین، تو وہ بالکل انسان کے بچون کی طرح روتی ہے،

(۶) دنیا کا سب سے اونچا درخت ریڈ وڈ (Redwood) ہے، اسکی لمبائی چار سو فٹ تک ہوتی ہے، لیکن اس کے پھل سب سے چھوٹے یعنی ۳/۴ یا زیادہ سے زیادہ ایک انچ کے ہوتے ہین،

نئے طرز کا ٹیلی ویژن

عرصہ سے اسکی کوشش ہو رہی تھی، کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ تصویرین اصلی اور فطری رنگون مین دکھائی دین، اب یہ تجربہ کامیاب ہو گیا ہے،

نیویارک کے ڈاکٹر پیٹر سی گولڈ مارک (Dr. Peter C. Goldmark) نے اس خاص مقصد کے لئے ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے، جس کی نمایش کچھ دن ہوئے کولمبیا کی نشرگاہ سے کی گئی، اور چلتی پھرتی ہوئی تصویریں اپنے فطری رنگ مین بڑی کامیابی سے نشر ہوئین، اب دوسرا قدم موجودہ نشر سے اسکی تطبیق ہے،

یہ تصویریں یکے بعد دیگرے سرخ اور سبز پھر نیلے اور سرخ اور پھر سبز اور نیلے رنگ مین نشر ہوتی ہین، گویا دو ملے ہوئے رنگون سے تین تصویرین آتی ہین، ریسیور کے پاس ایک چھلنی سی لگادی جاتی ہے جس سے تصویر اپنے اصلی رنگ مین معلوم ہوتی ہے، اگر رنگ کی چھلنی استعمال نہ کیجائے تو تصویر یا تو بالکل سفید معلوم ہوگی یا بالکل سیاہ،

گھوڑے کے بالون کی صنعت

گھوڑے کے بالون سے کمربند اور کوڑے وغیرہ بنانا ہندوستان کی پرانی صنعت تھی، لیکن رفتہ رفتہ اسکی طرف سے اتنی بے توجہی برتی گئی، کہ وہ مردہ ہوگئی، اسی مردہ صنعت کو امریکہ کے ایک شخص بارنٹ نامی نے زندہ کیا ہے، اس نے ابتدا مین اس کو تفریحی مشغلہ کے طور پر شروع کیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ اوس نے اوس کو بڑی ترقی دی، اور اب وہ اس کے کمربند، لگام، ساز اور کوڑے بناکر اسکی تجارت کرتا ہے جس سے اسکی کافی آمدنی ہوتی ہے، اس مین اس نے مختلف ڈیزائنین اور

جدتین پیدا کی ہین، اور قدرتی اور مصنوعی رنگ کے بالون کو ملاکر بہت ہی خوبصورت چیزین بنتی ہین، آج کل یہ صنعت امریکہ مین بہت ہی مقبول ہو رہی ہے، گو اسکی مصنوعات کی قیمت غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتی ہے، اسکے باوجود ان کی بڑی مانگ ہے،

پٹرولیم سے ربر

ممالک متحدہ امریکہ مین ایک خاص کیمیائی ترکیب سے پٹرولیم سے ربر بنایا گیا ہے، اس ایجاد سے آیندہ ربر کی خام پیداوار کے لئے امریکہ کسی دوسرے ملک کا محتاج نہ رہے گا، اس خاص ربر کا نام بوتبل رکھا گیا ہے،

نیوجرسی کی اسٹنڈرڈ وائل کمپنی نے اس ربر سے موٹر کے ٹائر بنائے ہین، اور دوسرے مصرف بھی لئے ہین، لیکن ابھی اس سے بھی آسان اور سستے طریقون سے ربر بنانے کی ترکیبون پر غور کیا جارہا ہے، امید ہے کہ ان کوششون سے امریکہ کو اپنا جنگی سامان بنانے مین مدد ملے گی،

موٹرون کو بچانے کا طریقہ

ممالک متحدہ امریکہ نے ملکی دفاع کی تجویز کے تحت مین موٹرون کے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے کہ آیندہ موٹر کے چارون طرف آدہ انچ موٹے لوہے کے تپر چڑھا دیے جائیں گے، اس سے وہ جنگی گاڑیون کے برابر مضبوط ہوجائین گے، اور ان کی شکل بھی ٹینک جیسی ہوجائے گی، اور ان پر گولیون کا کوئی اثر نہ ہوگا،

"ا-ع"

باب التقریظ والانتقاد

رسالون کے خاص نمبر

مجلہ عثمانیہ مدیر نمبر، مرتبہ جناب ملک عبدالعلی خان صاحب (حصہ اردو) و جناب عبید علی خان صاحب (حصہ انگریزی) تقطیع بڑی ضخامت علی الترتیب ۲۰۲ و ۱۰۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، پتہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

مجلہ عثمانیہ کے لائق مدیرون نے مدیر نمبر کے نام سے یہ نمبر نکالا ہے، اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کل مضامین اس کے مختلف دور کے اڈیٹرون کے قلم کے ہین، اردو انگریزی دونون حصون مین علمی ادبی تاریخی، سیاسی اور معاشی وغیرہ مختلف سنجیدہ موضوعون اور مباحث پر مفید مضامین ہین، ان سے جامعہ کے فرزندون کے سنجیدہ علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، "عہدِ سلطان العلوم کے قبل کا آصفی ادب" ڈاکٹر محی الدین زور قادری "پریس اور مملکت" سید شہاب الدین صاحب ایم اے "شرع محمدی در قانونی ضمانت" بی این چوبے "زبان کی تشکیل میں سودا کی کارگذاری" شیخ چاند مرحوم "مسئلہ طلاق" زاہد علی صاحب "ہندو سماج میں عورتون کی حیثیت" سید محمد احسن صاحب خاص طور سے اچھے اور مفید مضامین ہین، افسانون مین "بدگمانی" جناب میکش اور منظومات مین نادار عبدالقیوم خان باقی دلچسپ ہین، یہ نمبر ہر اعتبار سے جامعہ عثمانیہ کے فرزندون کے ذوق کا اچھا نمونہ ہے،

ہمایون سالگرہ نمبر، مرتبہ میان بشیر احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت، ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ:- نمبر ۲۳ لارنس روڈ لاہور،

حسب معمول آغاز سال مین ہمایون نے اپنا سالگرہ نمبر نکالا تھا، اس مرتبہ غالباً کاغذ کی گرانی کی وجہ سے حجم معمول سے کم ہے، لیکن پورا نمبر حشو و زوائد سے پاک اور وقت کے اہم اور عالمگیر مسائل اور مفید ادب اور لٹریچر پر مشتمل ہے، لائق مدیر کے قلم سے اردو کے ماضی و حال اور مستقبل پر تاریخی، ادبی اور سیاسی حیثیت سے نہایت مفید اور جامع تبصرہ ہے، جس سے اردو زبان کی رفتار اور اس سے متعلق موجودہ مسائل و مباحث پر پوری روشنی پڑتی ہے، جہاں نما مین ۱۹۳۸ء کے اہم واقعات حوادث اور موجودہ جنگ کے اسباب اور خوفناک نتائج کو دکھایا گیا ہے، اور "نئے عقیدے" کی سرخی کے تحت مین موجودہ دور کے اہم اور عالمگیر اخلاقی تمدنی سیاسی اور معاشی مسائل انسانی علائق و مسائل کے مابعد الطبیعی عقائد اور سائنس و فلسفہ کے انکشافات پر عہد حاضر کے بڑے بڑے فلسفیون کے خیالات و افکار پیش کئے گئے ہین، ان سے ان مسائل کے متعلق انسانی افکار کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت اپنی روحانی اور مادی طمانیت کے لئے کتنی تشنہ ہے، افسانون مین "بالکل فیل" "فلک پیما" "زندگی اور موت" ظفر واسطی "اور خدا حافظ" حمید نظامی دلچسپ ہین،

عرفان سالنامہ مرتبہ جناب عقیل ہمدانی صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۶۵ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت معمولی، قیمت:- ۵ر پتہ:- ہمدانی منزل محلہ مشائخان اندر کوٹ میرٹھ،

یہ صوفیانہ رسالہ میرٹھ سے نکلتا ہے، ذی الحجہ کا نمبر سالنامہ کے نام سے نکلا ہے، "آسایش دوگیتی" "مجاہدین اسلام کی غیبی قوتین" "سیف الاسلام" "ایک بھولا ہوا سبق" اور "قربانی" وغیرہ متعدد مختصر عام پسند صوفیانہ اخلاقی اور مذہبی مضامین ہین، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون "دور جدید کا مسلمان" غالباً منقول ہے، ان خشک مضامین کے ساتھ ادب و افسانے کی تری بھی شامل ہے، "بکرون والی عید"

دلچسپ افسانہ ہے، "مضمون "منشور رسالت" کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ۸ھ میں قریش کی منظم جد و جہد کا خاتمہ ہوچکا تھا،.... غزوات نبوی کے فتحمندانہ اثرات کا پوری طرح غلبہ ہوچکا تھا، اور اسلام کی مخالفت جزیرۃ العرب میں ٹھنڈی ہورہی تھی ص ۲،) اسلام کا غلبہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں ہوا، عوام کے لئے عرفان اچھا رسالہ ہے، البتہ لائق مدیر کا یہ خیال کہ اردو صحافت ضروری فلاح و ترقی کے باوجود ایسا کوئی کارنامہ نہ پیش کرسکی جسکی علمی حیثیت ہمارے سالنامے کے مقابلہ میں آسکے، اپنے متعلق حسن ظن سے زیادہ نہیں ہے،

سہیل خواجہ عشرت نمبر

مرتبہ جناب عارف سنبھلوی تقطیع بڑی ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- سہیل شمسی پریس گھیاری ٹولہ گیا

گیا کے رسالہ سہیل نے خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی مرحوم کی یادگار میں ایک معمولی نمبر کو مرحوم کے نام سے منسوب کردیا ہے، اس میں مرزا فدا علی خنجر لکھنوی کے قلم سے خواجہ صاحب کے سوانح و سیرت اور ادبی خدمات پر ایک مضمون اور ان کی وفات کی چند تاریخین ہیں، ضرورت تھی کہ اس نمبر میں خواجہ صاحب کے ادبی و لسانی خدمات اور انکی تصانیف پر مفصل تبصرہ کیا جاتا، یہ نمبر تو محض برائے نام ہے، خواجہ صاحب کے خدمات کے سلسلہ میں یہ نیا انکشاف ہے، کہ "یہ اُنہی کی کوششوں کا انجام تھا کہ حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا" خواجہ صاحب کی دوسری لسانی خدمات کیا کم ہیں کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا سہرا ان کے سر باندھنے کی ضرورت پیش آئی،

پیام تعلیم سالگرہ نمبر

مرتبہ مولوی حسین حسان صاحب ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸، پتہ:- جامعہ ملیہ نئی دہلی،

لائق مدیر نے پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کو اس مرتبہ بھی زیادہ سے زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس کے مضامین میں بچوں کی تعلیم و تفریح دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا

گیا ہے، "جانوروں میں تمدن" "قطب شمالی پرندوں کا سفر" ہوائی جہاز کی کہانی" "ستاروں کی دنیا" مفید بھی ہیں، اور دلچسپ بھی، مضامین کے علاوہ بچوں کی ذہنی تفریح کا بھی کافی سامان ہے، نظموں کا حصہ بھی اچھا ہے، بچے اس نمبر کو بڑے شوق سے پڑھیں گے،

غنچہ

سالنامہ مرتبہ جناب شاغل فخری تقطیع بڑی ضخامت ۶۲ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- منیجر غنچہ بجنور یوپی،

غنچہ بچوں کا پرانا رسالہ ہے ان کی تفریح اور دلچسپی کے لئے اوس نے یہ کھیل کود نمبر نکالا ہے اس میں مختلف قسم کے جسمانی اور دماغی کھیلوں پر دلچسپ مضامین اور بچوں کیلئے مفید معلومات ہیں متعدد دلچسپ نظمیں بھی ہیں بعض مضامین کی زبان اتنی ثقیل ہے کہ بچے تو بچے خود زبان کی سادگی بھی اسکی متحمل نہیں ہوسکتی، گو حاشیہ میں اسکی تشریح کردی گئی ہے لیکن بچوں کے مضامین میں زبان کی سادگی اور آسانی کا لحاظ ضروری ہے ہمارے نبی کے کھیل" میں ایک مقام پر ہے کہ "ایک مرتبہ آنحضرت صلعم قبیلہ بنو اسمٰعیل کیساتھ تیراندازی کے کھیل میں شریک ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار دوسرے قبائل عرب کی طرح بنی اسمٰعیل کو کوئی قبیلہ سمجھتے ہیں حالانکہ ساری حجاز بنی اسمٰعیل تھے، جن میں خود آنحضرت صلعم بھی داخل ہیں، یہ غلط فہمی ان کو آنحضرت صلعم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ تیراندازی کیا کرو تمھارے دادا حضرت اسمٰعیل تیرانداز تھے"

العلاج خاص نمبر

مرتبہ جناب حکیم محمد عبد اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸/، پتہ دفتر العلاج روڑی ضلع حصار،

اس خاص نمبر میں مختلف امراض کے کم و بیش اسی نوے طبیبوں ڈاکٹروں اور ویدوں کے مجرب نسخوں کو جمع کردیا گیا ہے، فنی نقطۂ نظر سے ان نسخوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اطباء ہی کرسکتے ہیں، بظاہر مجرب نسخوں کا بڑا ضخیم مجموعہ معلوم ہوتا ہے طبیبوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

"م"

نثر اردو سر سید کے زیر اثر[1]

اُس پُر آشوب زمانہ میں جب ہندوستان مین سائنس اور مذہب اور مشرق اور مغرب کی کش مکش جاری تھی سر سید احمد خان کی مرکزیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، یہی وہ سرچشمہ تھا جس کے ذریعہ ہندوستان کے سارے سوتوں میں مغربیت پھیلی، اور مغرب کے علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت نے مشرق میں جگہ لے لی، سیاسی اور مذہبی حیثیت سے یہ تحریک جیسی بھی رہی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علم و ادب کو اس سے غیر معمولی فائدہ پہنچا، خصوصاً اردو زبان کیلئے تو سر سید کی ہستی ابر رحمت تھی، ڈاکٹر عبد اللہ نے اسی حیثیت سے اس کتاب مین سر سید اور جو لوگ ان سے متاثر ہوئے ان کی نثر پر نظر ڈالی ہے، کتاب انگریزی خواں طبقہ کے لئے لکھی گئی ہے

چنانچہ مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ یہ کتاب WALKERS, LITERATURE OF VICTORIAN ERA کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس مین سیاسی مذہبی، معاشرتی پس منظر اور ان نظریات کو اہمیت دی ہے، جس سے ارباب نثر اردو متاثر ہوئے، یون تو اردو نثر پر متعدد کتابین لکھی گئی ہین، لیکن اس خاص پہلو کو شاید ہی کسی نے اتنی اہمیت دی ہو، اور یہی اس کتاب کی خصوصیت ہے،

کتاب کے شروع مین پروفیسر محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور کا مقدمہ ہے، اس کے بعد خود مصنف کے قلم سے دیباچہ ہے،

اصل کتاب چھ ابواب مین منقسم ہی، (۱) سر سید اور ان کا پس منظر (۲) دینیات اور عالم دین (۳) سیرت نگاری اور تاریخ (۴) سیرت نگاری اور تاریخ (۵) ادبی تنقید نگاری اور متفرقات نثر

[1] نثر اردو سر سید کے زیر اثر (انگریزی) مولفہ ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ شاہ ایم اے ڈی لٹ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۶ صفحے قیمت [illegible] پتہ: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

(۶) افسانہ یا ناول نویسی،

پہلے باب مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ سر سید نے کس ماحول میں آنکھین کھولین، اس وقت ہندوستان کی اخلاقی، مذہبی، معاشرتی اور تعلیمی حالت کیا تھی، یہ وہ وقت تھا جب اردو فورٹ ولیم کالج کی گودون مین پالی جا رہی تھی، کہ میکالے نے اس نومولود اور دوسری دیسی زبانون کے ساتھ سوتیلی مان کا سا سلوک کیا اگرچہ غالب اور دوسرے ریختہ گو شعرا اس کو مقبول بنا چکے تھے لیکن گیسوے اردو ابھی منت پذیر شانہ تھی، اور یہ سر سید کی قسمت مین لکھا تھا کہ اس کی مشاطگی کر کے اُسے سنوارین، پھر کس طرح سر سید انیسویں صدی کے انگلستان سے متاثر ہوئے، جس کا اثر ان کی زندگی اور ادب مین بھی نمایان ہوا، یہ سر سید ہی کا احسان ہے، کہ انھون نے اردو کو تکلف و تصنع سے چھڑا کر سادگی کا جامہ پہنایا،

اس کے بعد سر سید کے سوانح حیات مین ان کے خیالات، نظریون اور ان کی علمی زندگی کے چھ ارتقائی مدارج نہایت خوبی کے ساتھ دکھائے ہین، ان کے رسالون اور کتابون پر مختصر تبصرہ بھی ہے، گو اپنے ہیرو کے ساتھ مصنف کا انداز بہت ہمدردانہ ہے، لیکن ان کی کمزوریون پر بھی ان کی نگاہ گئی ہے، پھر سر سید کے طرز تحریر ان کے خیالات اور ان کی موثر شخصیت پر اچھی بحث ہے، البتہ آخر مین سر سید کی توصیف و تعریف مین مصنف کا قلم جادۂ اعتدال سے ہٹ گیا ہے،

دوسرا باب دینیات اور عالم دین پر ہے، اس مین بھی سر سید کو مرکز اس باب مین مصنف نے سر سید پر تحقیق اور تبصرہ کا پورا پورا حق ادا کر دیا محسن الملک، ان کے ابتدائی خیالات اور ان کی مختصر سوانحعمری تصانیف پر مختصر سی بحث ہے، دوسرے نمبر مین چراغ علی

نذیر احمد اور شبلی کا ہے، نذیر احمد اور شبلی کو معلوم نہیں کس بنا پر زمرۂ مقلدین مین شامل کیا گیا ہو
جب کہ دونون کا اختلافِ مسلک بالکل نمایان اور کھلی ہوئی چیز ہے،

تیسرا باب سوانح اور تاریخ کا ہے، سوانح اور تاریخ کو غالباً اس لئے ایک باب مین
رکھا گیا ہو کہ شبلی کارلائل کی طرح تاریخ کو بڑے آدمیون کا ایک مسلسل کارنامہ تصور کرتے
ہین، اس باب کے شروع مین سوانح نگاری کی مختصر تاریخ ہے، اس سلسلہ مین عربی ادب
پر بھی چند الفاظ مین مختصر سا تبصرہ ہے، کہ ابتدا مین اس مین کیا خصوصیات تھیں، پھر رفتہ رفتہ صحت
و تحقیق کے اصول فراموش کر دئیے گئے، اور اردو براہ راست فارسی سے متاثر ہوئی،

سیرت نگاری کے بارے مین شبلی اور حالی کے نظریے یہ تھے، کہ تصویر کے دونوں رُخ نمایاں
کئے جائین، تاکہ پڑھنے والے کے ذہن مین ہیرو کی اصلی تصویر سامنے آجائے، پھر یہ دکھانے کی
کوشش کی ہے، کہ انھون نے اپنی تصانیف مین کہا نتک اس معیار کو قائم رکھا، ان کی خدمات
اور عظمت کے اعتراف کیساتھ مصنف کو دونون پر اعتراض ہے کہ وہ اپنے مقصد کو نہیں بھولتے
اور مسلمانون کے سامنے ایک آئیڈیل پیش کرکے ان کی گری ہوئی حالت کو سنبھالنا ہی ان کی
سیرت نگاری کا مقصد اولین تھا، شبلی پر ایک اور اعتراض یہ ہے، کہ ان کے فیصلے ایک جانب دار
جج کے فیصلے ہوتے ہین،

پھر حالی کے مختصر سوانح حیات اور ان کی تصانیف پر حشو و زوائد سے پاک اور ہمدردانہ
تبصرہ ہے، جو بڑی حد تک منصفانہ ہے،

چوتھے باب مین سرفہرست شبلی ہین، شبلی پا اردو کے مشہور مصنفین پر اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ
کہ کوئی نیا اضافہ مشکل ہے، تاہم مصنف نے مختلف لوگون کے خیالات کو اختصار اور سلیقہ سے
یکجا کر دیا ہے، بقول مہدی مرحوم شبلی ملک میں پہلے شخص ہین جن کو تاریخ و فلسفہ مین ربط باہمی

کا خیال پیدا ہوا، اور وہ ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح کر سکے جس سے لٹریچر مین ایک
خاص امتزاج پیدا ہو گیا، خود مصنف کو بھی اعتراف ہو کہ ان کے اندر مشرق اور مغرب کی تمام
خوبیان اکٹھی ہو گئی تھیں، اور انھون نے اردو نثر کو ایک ممتاز رنگ بخشا،

انکے تذکرہ مین انکے سوانح، انکی شاعری اور تصانیف کے چھ ارتقائی مدارج دکھائے ہین اسی سلسلہ مین
ان پر مغرب، ڈاکٹر آرنلڈ، اسلامی ممالک کے سفر، انکے دوستوں اور شاگردون کے اثر پر سیر حاصل بحث ہی،
ایک بسیار نویس مورخ کی حیثیت سے ذکاء اللہ پر بھی ایک نگاہ ڈالی ہے،

پانچوان باب، ادبی تنقید نگاری اور متفرقات نثر ہی، اسمین تہذیب الاخلاق اور حالی اور شبلی ہین
جنھون نے تنقید نگاری کو ایک فن کی حیثیت سے اردو ادب مین روشناس کرایا، مصنف نے مقدمہ شعر و شاعری
حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور شبلی کی شعر العجم اور موازنۂ انیس و دبیر کو پیش نظر رکھکر اس دور کی تنقید نگاری پر
ایک نگاہ ڈالی ہو، لیکن یہ باب تشنہ رہ گیا ہے، پھر اس دور کی اخبار نویسی اور خطوط پر مختصر تبصرہ ہے
اس طرح مصنف کی نگاہ سے کوئی گوشہ چھوٹنے نہین پایا ہے،

چھٹا باب کہانی یا افسانہ نویسی پر ہے، اس باب مین نذیر احمد کو نمایان حیثیت دی ہو، جس کے
وہ یقیناً مستحق ہین، اردو زبان جب تک زندہ ہو ان کی کہانیان شوق سے پڑھی جائین گی، اس باب
مین پہلے نذیر احمد کی زندگی کے حالات اور کتابون کی فہرست کے بعد ان کی کہانیوں پر ایک ناقدانہ
نگاہ ڈالی گئی ہے، نذیر احمد کی کہانیون کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، آشنائے فن ہو کر لکھا ہے، اور انصاف
کا دامن کہین سے نہیں چھوٹا ہے، لیکن نذیر احمد سے کردار نگاری کی شکایت بیکار ہے،

یہ کتاب انگریزی مین اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، مصنف نے اپنی زبان کی بہت
بڑی خدمت انجام دی ہے،

"ا - ع"

مطبوعاتِ جدیدہ

سیرت شہید کربلا (حصہ دوم) مترجمہ جناب مولوی محمد ایوب صاحب عثمانی، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:۔ مکتبہ معارف القرآن اورنگ آباد، ضلع گیا،

مصر کے ایک ممتاز عالم علی جلال حسینی نے دو جلدون مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی بسوط سیرت لکھی تھی، پہلی جلد مین واقعۂ شہادت سے قبل کے سوانح اور اخلاق وسیرت کے حالات ہین اور دوسرے حصہ مین واقعۂ شہادت اور اس سے متعلق دوسرے واقعات اور مباحث ومسائل کی تفصیل ہے، لائق مترجم پہلے حصہ کا ترجمہ عرصہ ہوا شائع کرچکے ہین، اب انھون نے دوسرے حصہ کا ترجمہ شائع کیا ہے، اس مین واقعۂ شہادت کے ساتھ قاتلینِ حسین کے انجام توابین کی جماعت کے خروج حضرت امام حسین کے بھائیون، بیویون اور اولاد کے حالات، شہداے کربلا کے مشاہد ومزارات، سر مبارک کے مقامِ دفن کی روایات عاشورہ کی حقیقت، اسکی مذہبی حیثیت، مختلف اسلامی ملکون اور حکومتون مین اسکی تاریخ اور مراسم وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، ان تاریخی واقعات کے ساتھ واقعۂ شہادت سے پیداشدہ بدعتون، اس سے متعلق موضوع احادیث شیعون کے عقائد، حضرت امام حسین کے دعوائے خلافت اور آپ کی شہادت کی مذہبی وسیاسی حیثیت، یزید کے متعلق غلط روایات، بنی امیہ کی عصبیت اور غزوۂ بدر کی شکست سے واقعۂ شہادت کے تعلق

کی روایات ومباحث کی تحقیق وتنقید اور غلط واقعات وعقائد کی پوری تردید کرکے اہلِ سنت کے صحیح عقائد کو پیش کیا گیا ہے، اور کسی بحث مین مصنف کا قلم جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں پایا ہے، ان مباحث کے بعد واقعہ شہادت کے نتائج یعنی مدینہ مین یزید کی مخالفت، جنگ حرہ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے دعوائے خلافت بنی امیہ کے زوال کے اسباب اور بنی عباس کی دعوت کے حالات ہین، آخر مین اثنا عشری زیدی اور اسمٰعیلی ائمہ کے مختصر حالات، اور ان کے متعلق غلط عقائد کی تردید اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل کے بعض ممتاز بزرگون کے حالات ہین، اردو مین اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت پر اس سے زیادہ مفصل کتاب نہین لکھی گئی، لائق مترجم نے اس کا ترجمہ کرکے اردو زبان مین ایک اچھی کتاب کا اضافہ کیا، ترجمہ بُرا نہیں ہے، لیکن لفظی پابندی کی وجہ سے ترجمہ مین پوری سلاست اور روانی نہ پیدا ہوسکی، ایک دو مقامون پر خفیف سے مسامحات بھی نظر آتے ہین، مثلاً ایک جگہ پر مترجم نے "زرہ" کے بجائے "کرتہ" ترجمہ کردیا ہے (ص ۱۵۵) یہ واقعہ محمد بن حنفیہ کی قوت کے ثبوت مین نقل کیا گیا ہے، یہ بادنیٰ تامل معلوم ہوسکتا تھا، کہ کرتے کا دامن دونون ہاتھوں سے پھاڑ دینا کسی غیر معمولی قوت کا ثبوت نہین ہے محمد بن حنفیہ نے جسے پھاڑا تھا وہ زرہ تھی،

آزاد حیدرآباد، مرتبہ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی قیمت ۱۲ار، پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن،

ریاست حیدرآباد اپنی تاریخی حیثیت اور قدیم معاہدوں کی رو سے برطانیہ کی برابر کی حلیف سلطنت ہی لیکن عملاً اسے بہت سے امور مین مساوات اور آزادی حاصل نہیں ہے، لارڈ ریڈنگ کے زمانہ سے جب سے ریاست کی آئینی حیثیت اور اسکے حقوق کا مسئلہ اٹھا، حیدرآباد کی دستوری اور آئینی حیثیت پر بہت سے مضامین نکل چکے ہین، مرزا مظفر بیگ صاحب نے اس سلسلہ کے منتخب مضامین کو اس کتاب مین جمع کردیا ہے، اس مین تاریخی آئینی قدیم معاہدات، مختلف خودمختار حکومتون کے

نظائر، انتظامی قابلیت وغیرہ مختلف پہلوؤن سے حیدر آباد کے آئینی درجہ اور اوس کے حقوقِ آزادی ومساوات پربحث کی گئی ہے، اس مجموعے مین چھوٹے بڑے بیس مضامین ہین، معلومات کے اعتبار سے ان مین "حیدر آباد اور گول میز کانفرنس" محمد حمید اللہ صاحب ایم اے "حیدر آباد کی آئینی حیثیت معاہدات کی روشنی مین" حکیم محمد اسمٰعیل صاحب "اقتدار اعلیٰ کی ماہیت اوراس کا اطلاق" ایک متعلم قانون کے قلم سے "ایک ہندوستانی ریاست کا تیس سالہ نظم ونسق" (؟) "حیدر آباد اور بعض تجارہ خود مختار ممالک" "نواب بہادر یار جنگ زیادہ اہم ہین،

مقالات ہاشمی (حصہ اول) مرتبہ جناب نصیر الدین ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۶۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور،

قدیم دکھنی ادبیات لائق مصنف کا پرانا موضوع ہے، اس پرانھون نے بہت سے تاریخی ادبی اور تنقیدی مضامین لکھے، جو معارف اردو، ہندوستانی اور جامعہ وغیرہ ملک کے مختلف سنجیدہ رسالون مین شائع اور مقبول ہوئے، اب انھون نے ان کو جمع کرکے کتابی شکل مین شائع کیا ہے، اس حصہ مین چوبیس مضامین ہین، ان مین دکھنی ادبیات کے مختلف پہلوؤن پر بہت مفید معلومات ہین اردو کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنے والون کے لئے خاص طور سے ان کا مطالعہ مفید ہے،

دھرتی ماتا، مترجمہ جناب ابو سعید صاحب قریشی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ:- ہاشمی بک ڈپو، انار کلی لاہور،

یہ کتاب ایک امریکن خاتون مسز پرل بک کی مشہور کتاب Good Earth کا ترجمہ ہے، مصنفہ کو نوبل پرائز مل چکا ہے، اور انکی اس کتاب کے ترجمے دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانون مین ہوچکے ہین، اس مین چین کے ایک غریب دہقانی کسان اور ایک فیوڈل عیش پرست اور زوال پذیر نواب کی زندگی سے دکھایا گیا ہے، کہ غربت وافلاس زمین کی برکت اور محنت ومشقت سے کس طرح رفتہ رفتہ دولت وثروت اور تعیش کا قالب اختیار کرتا ہے، اور قدیم عیش پرست امراء اور سرمایہ دارون کی زندگی انھیں کیسے تباہی کی طرف لیجاتی ہے، افسانہ مین غریب مزدورون اور کسانون کی زندگی، غربت وافلاس کے اندوہناک مناظر، زمین اور محنت کی برکتین، دولت وثروت اور تہذیب وتمدن کے مظاہر، تعیش کی رنگینیان، دیہاتون اور متمدن شہرون کی زندگی، غربت وسرمایہ داری کی جنگ وغیرہ، دولت اور غربت کے تمام خون کا نہایت دلکش مرقع پیش کیا گیا ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے لطفِ انشا کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن آخر کے چند ابواب کو ترجمہ سے نکالدیا ہے، مگر اس سے اس کتاب مین کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، ضرورت تھی کہ دیباچہ مین کتاب کا مختصر تعارف کرادیا جاتا، اس ترجمہ سے اردو ادب مین ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا،

سُریلے بول از محمد عظمت اللہ خان مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۱ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:- محمد رشید اللہ خان برکت بنگلہ نگی جیل قدیم حیدر آباد دکن،

اصحابِ ذوق عظمت اللہ خاں مرحوم کی جدت طرازِ شاعری سے ناواقف نہین انھون نے اردو مین ایک نئے طرزِ شاعری کی بنیاد ڈالی تھی، جو اپنے قالب وروح کے اعتبار سے بھاشا کی شاعری کا مثنی تھی، ان کی بیگم نے "سُریلے بول" کے نام سے انکی ان نظمون کا مجموعہ شائع کیا ہے، کتاب کے شروع مین ڈاکٹر محی الدین زور کے قلم سے مرحوم کی شاعری پر تبصرہ اور مولوی محمد ریاض الدین صاحب کے قلم سے ان کے حالاتِ زندگی ہین، اس طرز کو اردو شاعری مین رائج کرنے کے لئے مرحوم نے رسالہ اردو مین ایک مفصل مضمون لکھا تھا، اسے مقدمہ کے طور پر مجموعے مین شامل کردیا گیا ہے، یہ مضمون شعری اور ادبی حیثیت سے بجائے خود ایک مستقل اور اہم چیز ہے، اس مین قدیم اردو شاعری کے نقائص اور اسکی عروضی دشواریون کو دکھایا گیا ہے، اور اس کے مقابلہ مین اس نئے طرز کی عروضی سہولتون اور اسکی شاعرانہ

خوبیون کو پیش کر کے اسے اردو مین رائج کرنیکی صلاح دیگئی ہے، اس سلسلہ مین بھاشا کے عروض پر کسی قدر تفصیلی اور انگریزی عروض پر اجمالی بحث ہے، بعض اور اصلاحی تجویزین ہین، اس سے انکار نہین کہ اردو شاعری اپنی بہت سی اچھی خصوصیات کے باوجود نقائص سے خالی نہین ہے، لیکن دوسری زبانون کی شاعری کو اس کیلئے معیار قرار دینا صحیح نہین ہے، ہر قوم ہر ملک اور ہر زبان کی خصوصیات، ذوق اور رجحانات جدا جدا ہین، اسلئے ایک زبان کا ادب دوسری زبان کے ادب کیلئے بعینہٖ معیار نہین بن سکتا، قدیم اردو شاعری مین یقیناً بہت سے نقائص تھے، لیکن نئے رجحانات نے بہت کچھ خود انکی اصلاح کر دی ہے، اور جس حد تک اسکی گنجایش باقی ہے، اس حد تک اس مضمون کی بعض تجویزین قابلِ قبول ہین، اور نہ صرف بھاشا کی شاعری، بلکہ ہر زبان کی شاعری کی اچھی خصوصیات قابلِ تقلید ہین، لیکن اردو شاعری کا رنگ اور ڈھانچہ بدل کر اُسے کسی دوسرے دائرہ کا پابند بنا دینا خود اصلاح و ترقی کے منافی ہے، گو اس مضمون کے تمام خیالات قابلِ قبول نہین ہین، تاہم شعر و ادب سے متعلق اسمین بہت سی مفید باتین ہین، نظم کے مجموعے مین ۴۳ نظمین ہین، ان مین بیشتر مرحوم کی طبعزاد اور بعض دوسری زبانون کے تراجم ہین، یہ سب نظمین جدت طرازی، زبان کی سادگی، گھلاوٹ، شیرینی اور رسیلے پن کا نمونہ ہین،

یادِ اقبال جناب غلام سرور صاحب فگار، تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۸ر، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

سر اقبال مرحوم کی وفات پر ان کی یاد مین ہندوستان کے بہت سے شعرا نے اپنی عقیدت کے نذرانے پیش کئے تھے، اقبال اکیڈمی نے جو مرحوم کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کیلئے قائم ہوئی ہے، ان عقیدت نامون کو جمع کر کے یادِ اقبال کے نام سے شائع کر دیا ہے، اسمین اہم شعرا کی نظمین ہین، مولینا حسرت موہانی کی ایک نظم جو انھون نے اپنی بیوی کی وفات پر کہی تھی، غلطی سے اس مین شامل ہو گئی ہے، معلوم ہوتا ہے مرتب نے بے پڑھے اسکو شامل کر دیا ہے، اسلئے کہ اس نظم کے بعض اشعار اور جذبات کا تعلق کسی حیثیت سے بھی اقبال مرحوم سے نہیں ہو سکتا، "م"

"جلد ۴۷" ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء "عدد ۴"

مضامین